سنگت
تراجم
43

تاریخ مجھے بری کردے گی!

ترجمہ: شاہ محمد مری

فیڈل کاسٹرو



سنگت تراجم

Sangat Translation Series

History Will Absolve Me

تاریخ مجھے بری کر دے گی!

فیڈل کاسترو

انگریزی سے ترجمہ

شاہ محمد مری

سنگت

Copy Rights @ *Sangat Academy*

Sangat Translation Series # 36

History Will Absolve Me

Speech in Court by: ***Fidel Castro***

Translated from English: ***Shah Mohammad Marri***

جملہ حقوق سنگت اکیڈمی کے نام محفوظ ہیں!

سنگت تراجم 43

کتاب : تاریخ مجھے بری کردے گی!

موضوع: سیاسی ادب

ترجمہ : شاہ محمد مری

اشاعت: 2022ء

قیمت : 300روپے

پبلشر :

سنگت اکیڈمی آف سائنسز

دی مری لیب، شیر محمد روڈ، کوئٹہ

رابطہ:0300-3829300

email: books@sangatacademy.net

Web: www.sangatacademy.net

جدو جہد کے نام!

چھبیس جولائی

بتستا کی آمریت قائم ہوئے چند ہفتے گزرے تھے کہ ایک پچیس سالہ وکیل ہوانا کی عدالت عالیہ میں پیش ہوا اور یہ درخواست پیش کی کہ بتستا اور اُس کے حواری ملکی قانون کی چھ دفعات کے تحت مجرم اور سزاوار ہیں۔ اِس لیے اُن سے جواب طلبی کی جائے اور اگر الزامات درست ہوں تو انھیں حسب قانون ایک سو آٹھ برس قید تک کی سزا دی جائے۔

اِس نوجوان وکیل کا نام فیڈل کاسترو تھا۔ ظاہر ہے کہ اِس کی درخواست فوراً مسترد کر دی گئی، لیکن یہ سر پھرا شخص جان کی خیر منانے کے بجائے شنوائی کے دوسرے وسائل ڈھونڈنے میں جُت گیا۔

قومی اور سیاسی تحریکوں میں ہوانا کے طلبا ہمیشہ پیش پیش رہے۔ 1870ء میں کیوبا کی پہلی تحریکِ آزادی کے دوران سات میڈیکل کے طلبا کو ہسپانوی حکمرانوں نے سرِ بازار گولی سے اڑا دیا تھا اور 1934ء کے بعد ہوانا یونیورسٹی کی سیڑھیاں بارہا طلبا کے خون سے لال ہوتی رہیں۔ اُن ہی طلبا میں سے کاسترو نے رضا کار بھرتی کیے۔

26 جولائی 1953ء میں فیڈل کاسترو نے 18 سے 25 سال عمر کے نوجوان مردوں عورتوں کے ایک گروہ کو ساتھ لیا، انھیں بتستا فوج کی یونیفارم پہنا دی اور رات کے پچھلے پہر پانچ

بجے کیوبا کے دوسرے بڑے شہر "سنتیا گوڈی کیوبا" کے فوجی قلعے "مونکیڈا چھاؤنی" پر حملہ کر دیا ۔ ان لڑکوں لڑکیوں کو اس شہر کے راستے تک معلوم نہ تھے۔ کاسٹرو کی عمر اس وقت 26 سال تھی۔ ان کے پاس نہ ضروری ہتھیار تھے، اور نہ تجربہ تھا۔ اُن کے پاس محض ایک مشین گن تھی اور چند پرانی رائفلیں۔ بس ان لوگوں کا خود پہ اعتماد، اپنے کاز پہ اعتماد تھا۔ ان لوگوں کو یقین تھا کہ کوئی مشکل ناقابلِ حل نہیں، اور کوئی راہ اس قدر کانٹوں والی نہیں کہ انجام تک پہنچنے نہ دے۔

اس نے تین مقاصد کے حصول کے لیے اس قلعے پر حملہ کر دیا تھا:

* ایک تو یہ کہ اُس پر قبضہ کیا جائے۔

* دوسرا یہ کہ اس قلعے میں موجود بھاری اسلحے پر قبضہ کیا جائے جس کی اُسے اور اس کی انقلابی فوج کو ضرورت تھی۔ اس اسلحہ کو عوام میں تقسیم کیا جائے جو اپنی آزادی کے لیے لڑنے کی عظیم روایت رکھتے تھے۔

* اس حملے کا تیسرا مقصد یہ تھا امریکہ کی طرف سے کیوبا پر مسلط کردہ جنرل بتستا کے خلاف ایک مقبولِ عام بغاوت ابھاری جائے۔

اس انقلابی کمانڈر نے جب مونکیڈا پر حملہ کیا تھا تو اس کے پاس کامیابی کی صورت میں ایک انقلابی پروگرام تحریری طور پر موجود تھا۔ اس نے ایک پانچ نکاتی انقلابی قانون جاری کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ پروگرام یہ تھا کہ اِس چھاؤنی (مونکیڈا چھاؤنی) پر قبضہ کرنے کے فوراً بعد اِس انقلابی قانون کو لاگو کر دیا جائے گا۔ اُسے ریڈیو پر نشر کرنا تھا۔

اس انقلابی قانون کا پہلا نکتہ یہ تھا کہ اقتدار فوجی آمر سے چھین کر عوام کے حوالے کیا جائے گا۔ اور 1940 کے آئین کو بحال کیا جائے گا تاوقتیکہ عوام اس میں کوئی ترمیم یا اضافہ نہ کریں۔ چوں کہ سارے ادارے فوجی آمر نے تباہ کر دیے تھے اور کوئی انتخابی ادارہ موجود نہ تھا اس لیے انقلابی تحریک ہی اقتدار سنبھال لے گی اور ماسوائے آئین کی تبدیلی کے اختیارات کے' باقی سارے اختیارات سنبھال لے گی۔

دوسرا نکتہ یہ لاگو کرنا تھا کہ ساری زمین کسانوں میں بانٹ دی جائے گی۔

انقلابی قانون کی تیسری شق یہ تھی کہ ساری بڑی صنعت، تجارت، اور معدنیات کے منافعے کا 30 فیصد مزدوروں کا ہوگا۔

چوتھے قانون کے تحت گنّا کاشت کرنے والوں کو چینی کی پیداوار کا 55 فیصد حصہ دیا جانا تھا۔

پانچواں قانون یہ نافذ ہونا تھا کہ پچھلی حکومتوں سے جن لوگوں نے مفادات حاصل کیے تھے وہ سب کے سب ضبط کیا جائیں گے۔

یہ ارادہ بھی تھا کہ مندرجہ ذیل مسائل کے حل کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں گے:

صنعتکاری کا مسئلہ، ہاؤسنگ کا مسئلہ، بے روزگاری کا مسئلہ، تعلیم کا مسئلہ، اور عوام کی صحت کا مسئلہ۔

تحریری ضمانت تھی کہ حکومت سنبھالتے ہی شہری آزادیاں اور سیاسی جمہوریت بحال کی جائیں گی۔

مگر یہ حملہ ناکام ہوا۔ کاسترو کے آدھے ساتھی لڑائی میں کام آئے۔ بہت سے پکڑے گئے جنھیں بتستا کے سپاہیوں نے طرح طرح کے عذاب دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ عوام کو سبق سکھانے کے لیے قتلِ عام کا حکم ہوا اور بیسیوں بچے، بوڑھے، عورتیں، مرد گولی سے اڑا دیے گئے۔ خود کاسترو پہاڑوں میں روپوش ہو گیا مگر ایک رات سوتے ہوئے وہ بھی پکڑا گیا۔ اس نے اپنا نام تو دوسرا بتایا مگر ساتھ ساتھ بہ آوازِ بلند یہ اعلان کرتا رہا کہ ''ہم جنگِ آزادی کی سپاہ کے وارث ہیں''۔ سپاہیوں نے اس پر بندوقیں تان لیں مگر اُن کے لیفٹیننٹ نے یہ کہتے ہوئے انھیں منع کیا: ''نظریات قتل نہیں کیے جا سکتے، نظریات قتل نہیں کیے جا سکتے''۔

وہ شریف آدمی فیڈل کو موت سے بچا گیا۔ اور اس کی شرافت دیکھ کر شریف کاسترو نے اکیلے میں اُسے اپنا اصلی نام بتا دیا۔ تب اس افسر نے کہا تھا، ''کسی اور کو نہ بتانا''۔ وہ لیفٹیننٹ اسے اعلیٰ حکام تک، یا فوجی چھاؤنی تک لے جانے کے بجائے اسے عدالت کے زیرِ کنٹرول

ایک سول تھانے پہنچا گیا۔ جہاں اسے بغیر مقدمہ چلائے شوٹ نہیں کیا جاسکتا تھا، بلکہ مقدمہ تو عدالت میں چلتا ہے۔ .... یہ لیفٹیننٹ نہ تو کمیونسٹ تھا اور نہ سیاسی ۔ بس ایک پڑھا لکھا شریف انسان تھا۔

کاسترو نے عدالت میں اپنا مقدمہ خود لڑا۔ اپنے محبوب لیڈر مارٹی کے اقوال اور کیوبا کے پینل کوڈ کی مدد سے، بغیر لکھی ہوئی اپنی پانچ گھنٹہ طویل اس تقریر میں اس نے انتہائی مدلل انداز میں بات کی۔ اس نے فوجی آمریت کو مسترد کردیا۔..... واضح رہے کہ اس لڑائی میں کاسترو کے ساتھیوں کے سامان میں سوویت یونین سے چھپی ہوئی لینن کی ایک کتاب بھی ملی جو کاسترو نے ہوانا سے خریدی تھی۔ عدالت میں اس کتاب کو گوریلوں کے خلاف ایک ہتھیار کے بطور سامنے لایا گیا۔ اور یہیں پر کاسترو نے یہ آفاقی جملہ کہا تھا: ''جس کسی نے لینن کو نہیں پڑھا، وہ جاہل ہے''۔ (میرے اچھے قاری! آپ نے لینن کو پڑھا ہے؟)

فوجی آمروں کے تحت عدالتیں تو بس نام کی عدالتیں ہوتی ہیں۔ بلکہ اگر غور سے دیکھیں تو جمہوریت میں بھی عدالتیں پیسے والوں کی ہی ہوتی ہیں۔ جہاں آئین ہی پیسے والے ممبروں نے بنایا ہو اور جہاں بڑے بڑے وکیل پیسے پر ملتے ہوں وہاں بے پیسہ شخص تو بے عدالت رہے گا ہی۔

اور یہاں تو کاسترو کو بدترین آمریت والی عدالت کا سامنا تھا۔ لہٰذا انصاف پر مبنی فیصلہ تو ممکن ہی نہ تھا۔ وہ کمرۂ عدالت میں کیوبا کے لیے انقلابی تبدیلی کے حق میں دلائل دیتا رہا۔ یہ شخص اِس چھوٹی عمر میں اس قدر عالمانہ تقریر کرتا ہے کہ انسان پڑھ کر حیران ہوجاتا ہے۔

اُس بیان میں کاسترو نے بغاوت کے اسباب وعوامل بیان کیے۔ بتستا کے مظالم اور جرائم گنوائے۔ عوام کی ناگفتہ بہ غربت اور بے سروسامانی' اور ملکی صنعت وزراعت کی پسماندگی پر روشنی ڈالی۔ پھر 26 جولائی کے معرکے کی تفصیلات بیان کیں اور اُن مظالم کا ذکر کیا جو اُس کے ساتھیوں پر ڈھائے گئے تھے۔

وہ مانٹیسکو، اور قدیم چین، قدیم انڈیا، یونان کی شہری ریاستوں، اور قدیم روما وغیرہ کے

بہت قدیم اقوال دہراتا ہے۔ وہ جون سالسبری، سینٹ تھامس آ کیناس، مارٹن لوتھر، فرانسیسی مصنف فرانکوئس ہاٹمین، سکاٹ لینڈ کے اصلاح پسند جان نوکس، 1668ء کے انقلابِ انگلستان، 1775ء کے امریکی انقلاب اور 1789ء کے انقلابِ فرانس کے حوالے دے دے کر دلیلیں دیتا ہے۔ کاسٹرو کی علمیت کا اندازہ اس کم عمری میں بھی اِس عدالتی بیان کو پڑھ کر بخوبی ہو سکتا ہے۔ یہ طویل اور پُرمغز عدالتی بیان History Will Absolve Me (تاریخ مجھے بری کردے گی) کے نام سے مشہور ہے۔

دنیا کی ہر بڑی زبان (ماسوائے بلوچی اور اردو کے) میں اس کے تراجم ہوتے رہے ہیں۔

شاہ محمد مری

6 جولائی، 2022ء، ماوند

History Will Absolve Me

تاریخ مجھے بری کر دے گی!

معزز جج صاحبان!

کسی وکیل کو اس قدر مشکل حالات میں اپنے پیشے کی پریکٹس نہیں کرنی پڑی ہوگی۔ کبھی بھی ایک الزام زدہ شخص کے خلاف اس قدر بے قاعدگیاں نہ کی گئی ہوں گی۔ اس کیس میں وکیل اور مدعا علیہ دونوں ایک ہی ہیں۔ اٹارنی کے بطور اُسے فردِ جرم پہ ایک نظر بھی ڈالنے کا موقع نہ ملا۔ بطور ملزم گزشتہ 76 دنوں سے اُسے قید تنہائی میں بند رکھا گیا ہے، اور ہر انسانی اور قانونی حق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اُسے مکمل اور حتمی تنہائی میں رکھا گیا ہے۔

وہ شخص جو آپ سے بات کر رہا ہے، اپنے پورے وجود کے ساتھ چھچھورے پن سے نفرت کرتا ہے۔ نہ اس کا میلانِ طبع کمرۂ عدالت میں خود کو علامہ ظاہر کرنے کی طرف ہے، نہ کسی طرح کی جذبات انگیزی کی طرف ہے۔ مجھے اس عدالت کے سامنے دو وجوہات کی بنا پر اپنا دفاع

خود کرنا پڑ رہا ہے :اول' مجھے قانونی مدد سے مکمل طور پر محروم رکھا گیا ہے۔ اور دوم' صرف وہی شخص اِس جیسے موقع پر بول سکتا ہے جو اس قدر گہرا زخمی ہوا ہو، جس نے اپنے ملک کو اس قدر نظر انداز کردہ دیکھا ہو اور اِس کا انصاف اس قدر پامال کردہ دیکھا ہو، ایسے الفاظ کے ساتھ بول سکتا ہے جو اس کے دل کے خون سے اور دل کی گہرائیوں کے سچ سے اچھل آتے ہیں۔

ایسے سخی کامریڈوں کی کوئی کمی نہ تھی جو میرا دفاع کرنے کی آرزو رکھتے تھے۔ ہوانا بار ایسوسی ایشن نے ایک جرأت منداور باصلاحیت ماہر قانون ڈاکٹر جارج **پیگلیئری** کو نامزد کیا کہ وہ اس کیس میں میری نمائندگی کرے۔لیکن اُسے اس کا فرض ادا کرنے نہ دیا گیا۔ جب بھی اس نے مجھ سے ملاقات کرنے کی کوشش کی تو اُس کے لیے جیل کے گیٹ بند کیے گئے۔ ڈیڑھ ماہ کے بعد کہیں جا کر، اور وہ بھی عدالت کی مداخلت سے' اُسے ملٹری انٹیلی جنس ایجنسی (SIM) کے ایک ایجنٹ کی موجودگی میں مجھ سے دس منٹ ملاقات کی اجازت دی گئی۔ عام دستور تو یہ ہے کہ وکیل کو اپنے موکل سے علیحدگی میں ملنے کا حق حاصل ہوتا ہے، اور اس حق کا پوری دنیا میں احترام کیا جاتا ہے، ماسوائے ایک ایسے سنگ دل آمر کے ہاتھوں میں ایک کیوبائی قیدی کے کیس کے، جو کہ کسی بھی قانون کو نہیں مانتا خواہ وہ لیگل ہو یا انسانیت والا۔ نہ ڈاکٹر پیگلیئری اور نہ میں ٹرائل کے لیے دفاع کے اپنے ذرائع پہ اس طرح کی گندی جاسوسی برداشت کرنے کو راضی تھے۔ شاید وہ اُن دروغوں کے ناقابلِ یقیں جال کو مٹی کی حد تک کم کرنے کے لیے ہمارے طریقوں کے بارے میں جاننا چاہتے تھے جو انھوں نے مونکیڈا بیرکوں کے گرد بُنے تھے۔ ہم کس طرح وحشت ناک سچائی کو بے نقاب کرنے والے تھے جسے وہ اتنے طویل عرصے تک چھپاتے؟ تب ہی ہم نے فیصلہ کرلیا کہ، بطور وکیل کے اپنے پیشہ ورانہ حقوق کا فائدہ لے کر میں اپنے دفاع کا کام خود سنبھالوں۔

ہمارے اس فیصلے کی بات سارجنٹ نے سنی اور اُس نے اپنے بالا حکام کو رپورٹ کردی ۔اس خبر نے اُن پر ایک ہیبت طاری کردی۔ یوں لگتا تھا کوئی چھوٹا مسخرہ انھیں بتا رہا تھا کہ میں اُن کے سارے منصوبوں کو تباہ کرنے والا ہوں۔

معزز جج صاحبان! آپ جانتے ہیں کہ کیوبائی روایت کے میرے اس حق کو چھیننے کے لیے مجھ پر کتنا دباؤ ڈالا گیا۔ عدالت اس طرح کی فتنہ پروازی کو برداشت نہیں کر سکتی تھی، اس لیے کہ اس طرح تو الزام لگے ہوئے شخص کو مکمل بے دفاعی کی حالت میں ترک کر دیا جاتا۔ ملزم جو کہ خود اپنا دفاع کرنے کا حق استعمال کر رہا ہے، کسی بھی صورت وہ کچھ کہنے سے باز نہ آئے گا جو کچھ اُسے کہنا چاہیے۔ میں شروع ہی میں یہ وضاحت کرنا، خوف ناک تنہائی کی وجہ بتانا لازمی سمجھتا ہوں جس میں کہ مجھے رکھا گیا ہے۔ مجھے خاموش رکھنے، مجھے قتل کرنے کے منصوبوں کے پیچھے کیا تھا، منصوبے جن سے عدالت واقف ہے۔ عوام سے کیا کیا بڑے واقعات چھپائے جا رہے ہیں؛ اور ساری حیران کن چیزوں کے پیچھے سچائی جو کہ اس مقدمے کے دوران وقوع پذیر ہوئیں۔ میں یہ سب کچھ مکمل وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

آپ نے کھلے عام اس کیس کو اس ریپبلک کی تاریخ میں اہم ترین کیس قرار دیا۔ اگر آپ سنجیدگی سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں تو آپ کو اپنی اتھارٹی کو رسوائی کے ساتھ داغ دار یا، کم کرنے نہیں دینا چاہیے تھا۔ پہلا عدالتی سیشن 21 ستمبر کو تھا۔ 100 مشین گنوں سے لیس سنگین بردار لوگ، عدالت کے کمرے پر حملہ آور ہوتے ہوئے۔ سو سے زائد لوگ قیدی کے کٹہرے میں براجمان تھے۔ جن میں سے بڑی اکثریت کا اِس بات سے تعلق ہی نہ تھا۔ وہ کئی دنوں سے امتناعی گرفتاری میں تھے۔ وہ متشدد یونٹوں کے چیمبروں میں ہر طرح کی زیادتیوں اور بے عزتیوں میں مبتلا تھے۔ مگر بقیہ ملزمان، یعنی اقلیت بہادر اور مصمم تھی۔ وہ آزادی کی لڑائی میں حصہ لینے کے فخریہ اعتراف کو تیار تھی، وہ بے نظیر خود ایثاری کی مثال پیش کرنے کو تیار تھی، اور اُن لوگوں کو جیل کے پنجوں آزاد کرنے میں مصمم تھی جنھیں جان بوجھ کر بری نیت کے ساتھ اس مقدمے میں شامل کیا گیا تھا۔ وہ جو لڑائی میں ایک دورے کا سامنا کر چکے تھے، دوبارہ ایک دوسرے کا سامنا کر رہے تھے۔ ایک بار پھر، ہماری طرف سے انصاف کے کاز کے ساتھ، ہم ایک بار پھر ذلت و رسوائی کے برخلاف سچ کی خوف ناک لڑائی شروع کرتے۔ یقیناً حکومت اپنے لیے رکھی ہوئی اخلاقی بربادی کے لیے تیار نہ تھی۔

کس طرح اپنے سارے جھوٹے الزامات کو برقرار رکھا جائے ؟ جو کچھ اصل میں ہوا تھا اُسے کس طرح راز میں رکھا جائے ؟ اور وہ بھی اُس وقت، جب اتنے زیادہ نوجوان لوگ اس بات کے لیے ہر چیز خطرے میں ڈال رہے تھے۔ (قید، ٹارچر اور ضروری ہوا تو موت بھی) تا کہ اس عدالت کے سامنے سچ بتایا جائے۔

پہلے سیشن میں مجھے بطور گواہ بلایا گیا۔ دو گھنٹے تک پراسیکیوٹر اور 20 وکلا مجھ سے سوالات کرتے رہے۔ میں صحیح صحیح اعداد و شمار کے ساتھ یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوا کہ کل کتنا پیسہ خرچ ہوا، یہ پیسہ کیسے جمع کیا گیا اور کیا کیا اسلحہ ہم جمع کر سکے۔ مجھے چھپانا نہ تھا اس لیے کہ سچ یہ تھا : یہ سب کچھ ان قربانیوں کی بدولت ہوا جس کی مثال ہمارے ملک کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ میں نے اُن اہداف کی بات کی جنھوں نے جدو جہد میں ہمیں انسپائر کیا اور اُس انسانی اور سخی سلوک کا بتایا جو ہم نے ہمہ وقت اپنے مخالفوں پہ نچھاور کیے رکھا۔ اگر میں انھیں یہ بتانے میں کامیاب ہوا کہ جن لوگوں کو اس مقدمے میں غلط طور پر شامل کیا گیا، وہ نہ بالواسطہ اور نہ بلا واسطہ شامل تھے، تو مجھے اپنے بہادر کامریڈوں کی مکمل حمایت اور پشت پناہی حاصل ہے۔ ہم جب تک جیل میں رہے مجھے ایک بار بھی اپنے اِن کامریڈوں سے بات کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، پھر بھی ہم نے بالکل یہی کچھ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب لوگ اپنے دلوں میں ایک جیسے تصورات رکھیں تو کوئی طاقت انھیں تنہا نہیں رکھ سکتی، نہ جیل کی دیواریں نہ گورستان کی گھاس۔ اس لیے کہ ایک واحد یاد، ایک واحد جذبہ، ایک واحد تصور، ایک واحد ضمیر، ایک واحد وقار اُن سب کو سنبھالے رکھتا ہے۔

اُس لمحے سے مونکیڈ ابیر کوں کے واقعات سے متعلق رجیم کی طرف سے کھڑے کیے گئے دروغوں کے ڈھانچے تاش سے بنے گھر کی طرح منہدم ہونے شروع ہوئے۔ نتیجہ یہ کہ پراسیکیوٹر کو سمجھ آ گئی کہ اکسانے والوں کے بطور نامزد کردہ اُن سارے لوگوں کو جیل میں رکھنا مکمل طور پر لغو بات ہے، اور اُس نے اُن کی عبوری رہائی کی درخواست کی۔

اُس پہلے سیشن میں میرے بیان کے آخر میں، میں نے عدالت سے اجازت مانگی کہ

مجھے کٹہرا چھوڑنے اور دفاع کے لیے وکیلوں کے بیچ بیٹھنے دیا جائے۔ یہ اجازت دے دی گئی تھی۔ اس موقع پر میرا وہ مشن شروع ہوا جسے میں اس مقدمے میں اپنا اہم ترین مشن کہتا ہوں: اُن بزدلانہ، تکلیف دہ اور فن کارانہ دروغوں کو مکمل طور پر بے اعتبار بنانا جو رجیم نے ہمارے لڑاکوں کے خلاف گھڑے تھے؛ اُن نفرت انگیز اور خوف ناک جرائم کو ناقابلِ تردید ثبوتوں کے ساتھ بے نقاب کرنا جو انھوں نے قیدیوں پر روا رکھے؛ اور قوم اور دنیا کو کیوبائی عوام کی بے انت بدقسمتی دکھانا جو وہ اپنی تاریخ کے سب سے زیادہ ظالمانہ اور سب سے زیادہ غیر انسانی استبداد کے ہاتھوں جھیل رہے ہیں۔

دوسرا سیشن 22 ستمبر کو منگل کے دن ہوا۔ اُس وقت تک صرف دس گواہوں کی پیشی ہوئی اور انھوں نے پہلے ہی منزانیلو علاقے میں ہونے والی قتل و غارت واضح کر دیا، بالخصوص وہ اُس پوسٹ کو کمان کرنے والے کیپٹن پر براہِ راست ذمہ داری کو ریکارڈ پر لائے۔ تین سو مزید گواہوں کی پیشی ابھی ہونی تھی۔ کیا ہوتا اگر میں، شواہد اور حقائق کے ایک چکرا دینے والے انبار کے ساتھ آرمی کے اُن اشخاص پر سوال جواب کرتا جو کہ اُن جرائم کے لیے بلاواسطہ ذمہ دار تھے؟ کیا رجیم مجھے مقدمہ سننے کے لیے موجود وسیع سامعین کے سامنے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے دیتی؟ سارے جزیرے کے صحافیوں اور قانون دانوں کے سامنے؟ اور اپوزیشن کے پارٹی لیڈروں کے سامنے جن کو انھوں نے احمقانہ انداز میں قیدی کی کوٹھڑی میں بٹھا دیا جہاں سے وہ ہر بات اچھی طرح سن سکتے ہیں؟ وہ تو اس کی اجازت دینے کی بجائے کمرۂ عدالت کو سارے ججوں سمیت بم سے اڑا دیتے۔

اور یوں انھوں نے ایک منصوبہ بنایا جس کے مطابق وہ مجھے مقدمے سے ختم کر دیتے، اور انھوں نے یہی کرنے کا کام شروع کیا، manu militari (ایک ملٹری ہاتھ کے ساتھ) 25 ستمبر جمعہ کی رات کو مقدمے کے تیسرے سیشن کے موقع پر جیل کے دو ڈاکٹر میرے سیل میں آئے۔ اُن کی شرمندگی صاف نظر آ رہی تھی۔ ''ہم آپ کا معائنہ کرنے آئے ہیں''۔ انھوں نے کہا۔ میں نے ان سے پوچھا، ''کون میری صحت کے بارے میں اس قدر پریشان ہے؟'' اصل میں

جس لمحے میں نے انھیں دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ کس لیے آئے ہیں۔ وہ خود کو میرے سامنے زیادہ محترم پیش نہیں کر سکتے تھے، اس لیے انھوں نے اپنی تکلیف دِہ صورت کی وضاحت کی۔ ''اِس سہ پہر کرنل شاوؔیانو جیل میں آیا اور ہمیں بتایا کہ میں اس مقدمہ میں حکومت کو خوف ناک نقصان پہنچا رہا ہوں''۔ کرنل نے ان سے کہا کہ وہ ایک سر ٹیفکیٹ پر دستخط کر دیں جس میں اعلان ہو کہ میں بیمار ہوں، لہٰذا عدالت میں پیش نہیں ہوسکتا۔ ڈاکٹروں نے مجھے بتایا کہ وہ اپنی طرف سے استعفٰی دینے کو، اور خود پر مقدمہ چلانے کا رسک لینے کو تیار ہیں۔ انھوں نے معاملہ مجھ پر چھوڑ دیا کہ میں جو چاہوں فیصلہ کروں۔ میرے لیے ان لوگوں کو خود کو بلا جھجک تباہ کر دینے کا کہنا' مشکل تھا۔ مگر میں کسی صورت اُن احکامات کی تعمیل کی رضامندی بھی نہیں دے سکتا تھا۔ معاملہ انھی کے ضمیر پر چھوڑ کر میں نے ان سے صرف یہ کہا : ''تمھیں اپنے فریضے کا خود پتہ ہوگا، میں یقیناً اپنے فرائض جانتا ہوں''۔

میرے سیل سے جانے کے بعد انھوں نے سر ٹیفکیٹ پر دستخط کر دیے۔ میں جانتا ہوں کہ انھوں نے ایسا اس اچھی نیت سے کیا ہوگا کہ وہ صرف اسی راستے سے میری زندگی بچا سکتے تھے، جو ان کے خیال میں سخت خطرے میں تھی۔ میں اپنی گفتگو کو راز میں رکھنے پر مجبور نہ تھا، اس لیے کہ میں صرف سچ کے ساتھ بندھا ہوں۔ اس موقع پر میرے سچ بتانے سے ممکن ہے کہ اُن اچھے ڈاکٹروں کے مادی مفاد کو زک پہنچتی ہو، مگر میں اُن کے وقار کے بارے میں سارے شکوک دُور کر رہا ہوں جو کہ بہت اعلیٰ ہے۔ اُسی رات کو میں نے عدالت کو خط لکھ کر اس منصوبے کی مذمت کی ؛ یہ درخواست کی کہ عدالت اپنے دو فزیشنوں کو بھیج کر میری عمدہ صحت کا سرٹیفکیٹ دے، اور آپ کو اطلاع ہو کہ اگر زندگی بچانے کے لیے مجھے اس طرح کے دھوکہ میں حصہ لینا پڑے تو میں ہزار بار اس کو ضائع کرنے کو ترجیح دوں گا۔ اس سارے سڑے گلے منصوبے کے خلاف تنِ تنہا لڑنے کے اپنے مصمم ارادے کو دکھانے کے لیے میں نے استاد (مارٹی) کے ایک فقرے سے اپنی بات بڑھائی:

''ایک منصفانہ کاز حتیٰ کہ کسی غار کی تہہ میں سے بھی ایک فوج سے زیادہ کچھ کرسکتا ہے

جیسا کہ عدالت جانتی ہے 26 ستمبر کو مقدمے کی تیسری پیشی پر ڈاکٹر میلبآ ہرنانڈز کا خط پیش کیا گیا۔ میں نے یہ خط بھاری گارڈ میں ہونے کے باوجود اس تک پہنچایا۔ بلاشبہ اس خط نے فوری انتقام ابھارے۔ ڈاکٹر ہرنانڈز کو قید تنہائی میں ڈال دیا گیا۔ اور میں، جب کہ میں ... پہلے تنہائی میں تھا، اب مجھے جیل کے سب سے ناقابلِ رسائی علاقے میں بھیج دیا گیا۔ اُس لمحے کے بعد سے سارے ملزموں کو عدالت میں لانے سے پہلے سر سے پاؤں تک بھرپور تلاشی لی گئی۔

27 ستمبر کو دو عدالتی ڈاکٹروں نے لکھ کر دیا کہ میں، درحقیقت، مکمل صحت میں ہوں۔ پھر بھی، عدالت کے بار بار کے احکامات کے باوجود مجھے دوبارہ کبھی عدالت نہیں لایا گیا۔ اس پر طرہ یہ کہ روزانہ نامعلوم افراد سیکڑوں کی تعداد میں نقلی پمفلٹ بانٹتے تھے جس میں وہ جیل سے میرے فرار کا اعلان کرتے تھے۔ موقع سے غیر موجودگی کا یہ شاخسانہ اس لیے گھڑا گیا تا کہ وہ مجھے قتل کرسکیں اور یہ دکھاوا کرسکیں کہ میں نے جیل سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ چوں کہ میرے الرٹ دوستوں نے وقت پر اس منصوبے کو بے نقاب کر کے ناکام کر دیا تھا، اور جب پہلا بیانِ حلفی نقلی ثابت ہوا تھا، تب رجیم نے عدالت کی کھلی اور بے شرمانہ توہین کرتے ہوئے مجھے پیشی سے باہر رکھا۔

معزز جج صاحبان! یہ ایک ناقابلِ یقیں صورت حال تھی۔ یہاں ایک ایسی رجیم تھی جو واقعتاً ایک ملزم کو عدالت میں پیش کرنے سے خوف زدہ تھی؛ خون اور دہشت کی رجیم جو ایک بے دفاع شخص (غیر مسلح، بدنام کردہ اور تنہائی میں ڈالے ہوئے شخص) کی اخلاقی سزادہی کے خوف سے سکڑی بیٹھی ہے۔ چناں چہ انھوں نے مجھے دوسری ہر چیز سے محروم کر کے، آخر کار مجھے مقدمے سے بھی محروم کر دیا، جس میں میں اہم ترین ملزم تھا۔ یاد رکھیے کہ یہ ایک ایسے دور میں ہوا جس میں بنیادی حقوق معطل کر دیے گئے تھے اور پبلک آرڈر ایکٹ، نیز ریڈیو اور اخبارات کا سنسر شپ بھرپور طاقت کے ساتھ نافذ تھے۔ ایک واحد ملزم شخص کی آواز سے اس قدر خوف زدہ

رجیم نے کیا کیا نا قابلِ اعتبار جرائم کیے ہوں گے!

میں اس بے ادبی اور بے عزتی کو بیان کرتا ہوں جو فوجی لیڈروں نے ہمہ وقت آپ کے خلاف دکھائے رکھی۔ جس غیر انسانی تنہائی میں مجھے رکھا، جتنی زیادہ بار اس عدالت نے اس کو ختم کرنے کے احکامات دیے، جتنی زیادہ اس عدالت نے میرے بہت ہی بنیادی حقوق کی عزت کرنے کے احکامات دیے، جتنی زیادہ اس نے مجھے اپنے سامنے پیش کرنے کے احکامات دیے، اِس عدالت کے احکامات کی کبھی بھی تعمیل نہ کی گئی۔ اُس سے بھی بری بات یہ ہے کہ عدالت کے روبرو پہلی اور دوسری پیشیوں میں میرے ساتھ ایک مجسٹریٹی گارڈ کھڑا کر دیا گیا تا کہ میں کسی اور سے کوئی بات نہ کرسکوں، حتیٰ کہ مختصر ترین وقفوں میں بھی۔ دوسرے الفاظ میں، نہ صرف جیل میں، بلکہ عدالت میں بھی اور آپ کے سامنے انھوں نے آپ کے احکامات کو نظر انداز کیا۔ میں اگلے سیشن میں عدالت کے لیے بنیادی عزت کے معاملے کے بطور، اس کا تذکرہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، مگر مجھے دوبارہ کبھی لایا ہی نہ گیا۔ اور اگر اس قدر بے عزتی کے بدلے میں، وہ ہمیں آپ کے سامنے لائے ہیں تا کہ قانون کے نام پہ ہمیں جیل دی جائے جس کا دہ، اور صرف وہ دس مارچ سے خلاف ورزی کرتے چلے آ رہے ہیں، یقیناً غم ناک ہے۔ وہ یہ کام آپ پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقدمے کے دوران لاطینی مقولہ Cedant arma togae (ملٹری اقتدار سول اقتدار کو راستہ دے) کی یقیناً ایک بھی موقع پر تعمیل نہ کی گئی۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اُس صورت حال کو ذہن میں رکھیے۔

مزید برآں، یہ طریقے بہر صورت بے کار تھے، میرے بہادر کامریڈوں نے بے مثال حب الوطنی کے ساتھ مقدور بھر صورت میں اپنا فرض ادا کیا۔

''ہاں ہم کیوبا کی آزادی کے لیے لڑنے نکلے اور ایسا کرنے میں شرمندہ نہیں ہیں''۔

اُن میں سے ایک ایک نے گواہ کے کٹہرے میں کھڑے ہوکر اعلان کیا۔ پھر متاثر کن جرأت کے ساتھ عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے انھوں نے ہمارے بھائیوں کے جسموں پر کیے گئے وحشیانہ جرائم کی مذمت کی۔ گو کہ میں اپنے سیل میں، عدالت سے غیر حاضر، مقدمے کی ساری

تفصیلات جان رہا تھا۔ اور میں اس کے لیے جیل میں موجود قیدیوں کا شکر گزار ہوں۔ ساری دھمکیوں کے باوجود اُن لوگوں نے اخباری تراشے اور اس طرح کی دوسری ساری اطلاعات مجھ تک پہنچانے کے ذہین طریقے ڈھونڈے۔ اس طرح انھوں نے اپنے خلاف روا رکھے گئے وارڈن تابوآدا، اور سپروائزر لیفٹننٹ روزابال کی زیادتیوں اور بداخلاقیوں کا انتقام لے لیا، جنھوں نے انھیں طلوعِ آفتاب سے لے کر سورج ڈوبنے تک پرائیویٹ محلات تعمیر کرنے پہ دھکیلا اور جیل کے فوڈ بجٹ کو غبن کر کے بھوکا رکھا۔

جوں جوں مقدمہ آگے بڑھتا رہا۔ رول اور کردار الٹ ہونے گئے: وہ جو الزام لگانے آئے تھے انھوں نے خود کو ملزم دیکھا، اور ملزم کو مدعی۔ یہ انقلابی نہ تھے جن پر وہاں فیصلہ ہوا بلکہ ایک بار اور ہمیشہ کے لیے اُس ایک شخص کا فیصلہ ہوا جس کا نام بتستا تھا۔۔۔۔ اور اگر کل عوام ڈکٹیٹر کو اور اس کے حواریوں کو سزا دیں تو یہ کوئی اہم بات نہیں کہ ان بہادر اور قیمتی نوجوان لوگوں کو سزا دی گئی۔ ہمارے لوگوں کو آئزل آف پائنز کی جیل میں ڈال دیا گیا تھا جس کی چکردار راہداریوں اور غلام گردشوں کے قلعہ کا بھوت ابھی تک منڈلاتا ہے، اور جہاں بے شمار کشتہ لوگوں کی چیخیں ابھی تک بازگشت کرتی ہیں: وہاں ہمارے نوجوان آزادی کے ساتھ اپنی محبت کا کفارہ ادا کرنے بھیج دیے گئے، ایک تلخ قید میں، سماج سے باہر، اپنے گھروں سے کاٹ کر الگ کیے ہوئے، اور اپنے ملک سے جلاوطن کیے ہوئے۔ کیا یہ آپ کے سامنے واضح نہیں کہ، جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، کہ ایسی صورت حال میں وکیلوں کے لیے اپنے فرائض سرانجام دینا مشکل اور ناموافق ہوتا ہے۔

اس قدر مکدر اور غیر قانونی فتنہ پردازی کے نتیجے میں، اُن کی مرضی کی وجہ سے جو حاکم ہیں اور اُن کی کم زوری کی وجہ سے جو عدالت کرتے ہیں، میں یہاں سویلین ہسپتال میں اس چھوٹے سے کمرے میں موجود ہوں، جہاں مجھے خفیہ پیشی کے لیے لایا گیا، تاکہ میری بات باہر نہ جائے اور میری آواز دبائی جاسکے، تاکہ کوئی بھی اُن چیزوں کے بارے میں نہ جان سکے جو میں کہنے جا رہا ہوں۔ پھر ہمیں انصاف کے اُس مجبور محل کی کیا ضرورت ہے جسے بلا شک وشبہ معزز جج

صاحبان زیادہ آرام دِہ پائیں گے؟ میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ ایک ہسپتال کے کمرے سے جس کے گرد سنگینوں والے سنتریوں کا محاصرہ ہو انصاف منظم کرنا عاقبت نا اندیشی ہے۔ شہری یہ سمجھیں گے کہ ہمارا انصاف بیمار ہے۔ اور یہ کہ یہ قیدی ہے۔

میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ آپ کے دستور العمل کا قانون یہ مہیا کرتا ہے کہ ٹرائیل کی سماعت "کھلے عام" ہوگی، مگر پھر بھی عوام کو عدالت کے اِس مقدمے سے مکمل طور پر دور رکھا گیا۔ جن سویلینوں کو یہاں اجازت دی گئی وہ صرف دو وکیل اور چھ رپورٹر تھے جن کے اخباروں میں لگی پریس سنسر شپ میرے کہے ہوئے ایک لفظ کو بھی چھپنے نہ دے گی۔ مجھے اس پورے چیمبر اور رہداریوں میں میرے واحد سامع تقریباً سو سپاہی اور اُن کے افسر نظر آرہے ہیں۔ جس شائستگی اور سنجیدہ توجہ سے وہ مجھے سنتے ہیں، اس کے لیے میں اُن کا شکر گزار ہوں۔ میری اولین خواہش ہے کہ ساری آرمی میرے سامنے موجود ہو۔ میں جانتا ہوں کہ ایک روز، یہ آرمی غصے کے ساتھ خوف ناک شرم ناک خون کے دھبوں پر گھول جائے گی جو اقتدار کی شہوت وحرص میں موجودہ ناترس گروہ کی طرف سے فوجی یونیفارم پر خون کے چھینٹوں کے دھبوں کی صورت موجود ہیں۔ اُس روز، اُن امیرزادہ لوگوں کے لیے کیا کیا زوال منتظر ہے، بشرطیکہ عوام نے اُس روز سے بہت عرصہ قبل انھیں تخت سے اتار نہ دیا ہو!

میں آخر میں یہ اضافہ کرنا چاہوں گا کہ مجھے اپنے سیل میں پینل لا پر کسی کتاب کی اجازت نہ دی گئی۔ میرے پاس محض یہ چھوٹی سی کوڈ آف لا موجود تھی جو مجھے میرے فاضل وکیل ڈاکٹر بادیو کاسٹیلانوس نے مستعار دی تھی جو کہ میرے کامریڈوں کا بہادر وکیل ہے۔ اسی طرح انھوں نے مجھ پر مارٹی کی کتابوں کے حصول پہ پابندی لگائی۔ لگتا ہے کہ جیل خانے کی سنسر شپ اُن کتابوں کو بھی تخریب کار سمجھتی ہے۔ یا پھر اس لیے کہ میں نے کہا کہ مارٹی 26 جولائی کی روح پھونکنے والا تھا۔ مجھ پہ اس مقدمے کے دوران کسی اور موضوع پر بھی ریفرنس کتابوں کی بھی پابندی تھی۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا! میں استاد (مارٹی) کی باتوں کو دل میں لیے پھرتا ہوں، اور میرے ذہن میں اُن سارے انسانوں کے اشرف تصورات موجود ہیں جنھوں نے کہیں بھی عوام کی آزادی کا

دفاع کیا ہو!

میں اس عدالت سے صرف ایک درخواست کرتا ہوں۔اور مجھے یقین ہے کہ میری یہ درخواست اُن تمام زیادتیوں اور ناانصافیوں کے مداوا کے بطور قبول کی جائے گی جو ملزموں کو قانون کی حفاظت کے بغیر برداشت کرنا پڑیں۔ مین چاہتا ہوں کہ بغیر کسی پابندی کے اپنے مافی الضمیر کو کہنے کے میرے حق کا احترام کیا جائے۔ بہ صورتِ دیگر انصاف کی معمولی ترین مشابہت تک کو برقرار نہیں رکھا جاسکتا، اوراس مقدمے کی آخری قسط رسوائی اور بزدلی ہوگی۔

مجھے تسلیم کرنا چاہیے کہ میں کسی حد تک ناخوش ہوں۔ میں نے توقع کی تھی کہ معزز پراسیکیوٹر ایک سنگین الزام کے ساتھ آئے گا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنی بحث اور اپنے دلائل کی آخری حد تک اس بات کا جواز پیش کرے گا کہ مجھے انصاف اور قانون کے نام پر 26 سال کی قید کی سزا دی جائے۔مگر نہیں۔اس نے خود کو سوشل ڈیفنس کوڈ کے دفعہ 148 تک محدود رکھا۔اس کی بنیاد پر، بشمول بگڑتی ہوئی صورت حال کی بنیاد پر، وہ درخواست کرتا ہے کہ مجھے 26 سال کی طویل قید کی سزا ہو! دومنٹ بہت کم وقت لگتے ہیں جس میں اس بات کا مطالبہ کیا جائے اور جواز پیش کیا جائے کہ ایک شخص کو چوتھائی صدی سے زیادہ کی جیل کی سزا دی جائے۔ کیا معزز پراسیکیوٹر عدالت سے ناراض ہے؟اس لیے کہ جیسا میں دیکھ رہا ہوں کہ اس مقدمے میں اُس کا کوتاہ رویہ اُس متانت سے متصادم ہے جس کے ساتھ معزز ججوں نے اعلان کیا تھا بلکہ فخر سے اعلان کیا تھا کہ یہ ایک زیادہ اہمیت والا مقدمہ تھا۔ میں نے پراسیکیوٹر کو سادہ منشیات والے مقدمات میں محض چھ ماہ کی قید کے لیے دس گنا زیادہ ٹائم تک بولتے سنا ہے۔معزز پراسیکیوٹر نے اپنی پٹیشن کی حمایت میں ایک لفظ تک پیش نہ کیا۔ میں ایک راست باز شخص ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ریپبلک کے آئین کی وفاداری کا حلف لیے ہوئے ایک پراسیکیوٹر کے لیے یہاں ایک غیر آئینی، قانون سے متعلق ڈی فیکٹو (درحقیقت) حکومت جس کے پاس کوئی قانونی اور اس سے بڑھ کر کوئی اخلاقی بنیاد نہیں، کے نام پر یہاں آنا ایک نوجوان کیوبائی کو، اُسی کی طرح ایک وکیل اور کو شاید اتنا ہی باوقار جتنا وہ خود ہے، کو 26 برس کے لیے جیل بھیجنے کا کہنا بہت مشکل ہو۔مگر معزز

پراسیکیوٹر ایک صلاحیتوں والا آدمی ہے اور میں نے بہت سارے کم صلاحیتوں والے آدمی دیکھے ہیں جو اس رجیم کے دفاع میں طویل گالیوں کی بوچھاڑ لکھتے ہیں۔ پھر میں کس طرح فرض کرسکتا ہوں کہ اس کے پاس دلائل کم ہیں جن سے اس کا دفاع کیا جائے، کم از کم پندرہ منٹ تک کے لیے، وہ خواہ کسی بھی شریف آدمی کے لیے کتنا قابلِ نفرت ہو؟ یہ واضح ہے کہ اس سب کے پیچھے بہت بڑی سازش ہے۔

معزز جج صاحبان! مجھے خاموش کرنے میں اتنی دلچسپی کیوں؟ کیوں ہر طرح کی دلیل کو قبل از وقت ترک کیا جارہا ہے تاکہ کسی بھی ہدف کو پیش کرنے سے بچا جاسکے جس کے خلاف میں خود اپنی وضاحت کا رخ کرسکوں؟ کیا ایسا ہے کہ اُن کے پاس قانونی، اخلاقی یا سیاسی بنیاد موجود نہیں جس کی بنیاد پر معاملے کے ایک سنجیدہ ضابطہ کو سامنے لایا جائے؟ کیا وہ سچ سے اس قدر خوف زدہ ہیں؟ کیا انھیں امید ہے کہ میں بھی صرف دومنٹ بولوں گا، اور میں اُن نکات کو نہیں اٹھاؤں گا جنھوں نے کہ 26 جولائی سے کچھ لوگوں کو بے نیند راتیں دی ہیں؟ چوں کہ پراسیکیوٹر کی پٹیشن کو محض سوشل ڈیفنس کوڈ کے ایک آرٹیکل سے پانچ لائنیں پڑھنے تک محدود کیا گیا، تو کیا اُن کا خیال ہے کہ میں بھی خود کو انھی پانچ سطروں تک محدود رکھوں گا اور انھی کے گرد اِس طرح دائرہ لگاؤں گا جس طرح ایک غلام ایک چکی گھماتا ہے؟ میں کسی طرح بھی ایسی زبان بندی قبول نہیں کروں گا، اس لیے کہ اس مقدمہ میں محض ایک آدمی کی آزادی داؤ پر نہیں لگی ہوتی ہے۔ یہاں قانون کے بنیادی معاملات پر بحث ہورہی ہے۔ یہ مقدمہ ''انسان آزاد رہنے کا حق رکھتے ہیں'' کا مقدمہ ہے، ایک مہذب اور جمہوری قوم کے بطور ہمارے وجود کی بنیادیں ترازو پہ ہیں۔ جب یہ مقدمہ ختم ہوجائے تو میں خود کو کسی غیر دفاع شدہ اصول، کسی غیر گفتگو شدہ سچ، کسی غیر مذمت کردہ جرم کے لیے اپنی سرزنش کرنا نہیں چاہتا۔

معزز پراسیکیوٹر کا مشہور چھوٹا آرٹیکل، میرے وقت کے ایک منٹ کا مستحق بھی نہیں ہے۔ میں اِس وقت خود کو اُس کے خلاف ایک چھوٹے لیگل جھگڑے تک محدود کروں گا، اس لیے کہ میں اُن سارے بے انت دروغوں اور عیاریوں، مفافقت، رسم پرستی اور اخلاقی بزدلی کے

خلاف حملہ آور ہونے کے لیے میدان صاف کرنا چاہتا ہوں جس نے اُس غیر مہذب کامیڈی کے لیے اسٹیج سجایا ہے جسے دس مارچ سے (اور حتیٰ کہ اس سے بھی قبل) کیو با میں ''انصاف'' کہا گیا ہے۔

یہ کرمنل لا کا ایک بنیادی اصول ہے کہ کسی الزام لگے جرم کو ہو بہو قانون کی طرف سے بیان کردہ جرم کی قسم کے مشابہ ہونا ہوگا۔ اگر مذکورہ نکتے پر کوئی قانون نہیں آتا تو کوئی جرم ہوا ہی نہیں۔

مذکورہ آرٹیکل یوں ہے: ''جرم کا ارتکاب کرنے والے کو کسی ایسے عمل پہ تین سے دس برس تک کی قید کی سزا ہوگی جس کا مقصد ریاست کے آئینی اختیارات کے خلاف ایک مسلح بغاوت لانا ہو۔ اگر وہ بغاوت واقعی عمل میں لائی جا چکی ہو تو سزا پانچ سے بیس برس تک ہوگی۔''

معزز پراسیکیوٹر کس ملک میں رہ رہا ہے؟ اُسے کس نے بتایا کہ ہم نے ریاست کے آئینی اختیارات کے خلاف ایک بغاوت چاہی ہے؟ دو چیزیں واضح ہیں۔ سب سے پہلے، جو ڈکٹیٹر شپ قوم پر جبر و ظلم کرے وہ ایک آئینی اقتدار نہیں، بلکہ غیر آئینی ہے: یہ آئین کے خلاف قائم کی گئی تھی، آئین کے سر کے اوپر، ریپبلک کے جائز آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے۔ جائز آئین وہ ہے جو ڈائریکٹ طور پر ایک بااختیار عوام سے صادر ہوتا ہو۔ میں ذرا دیر میں ناقابلِ جواز کو جائز قرار دینے کے بزدل اور غداروں کی طرف سے حیلہ کردہ سارے عذر اور بہانوں کو مسترد کرتے ہوئے اس نکتے کی وضاحت کروں گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ آرٹیکل اختیارات کی بات کرتا ہے، جمع کے صیغے میں، جس طرح کہ ایک ریپبلک پر ایک آئین ساز اقتدار کا معاملہ ہو، ایک ایگزیکٹو پاور کا، اور ایک جوڈیشل پاور کا جو ایک دوسرے کو بیلنس اور ریبیلنس کرتے ہوں۔ ہم نے ایک سنگل پاور، ایک غیر قانونی پاور کے خلاف بغاوت گرم کردی، جس نے کہ قوم کے آئین ساز اور انتظامی پاورز پر زبردستی قبضہ کیا اور انھیں ایک واحد میں ضم کر دیا، اور یوں اس پورے نظام کو برباد کر دیا جسے اُس ''کوڈ'' سے بالخصوص محفوظ کیا گیا تھا جس پر ہم بحث کر رہے ہیں۔ جہاں تک دس مارچ کے بعد عدلیہ کی آزادی کی بات ہے تو میں اس پر اشارہ نہیں کروں گا

اس لیے کہ میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔ ۔ ۔ کوئی مسئلہ نہیں کہ کس طرح دفعہ 148 کو پھیلایا جائے، سکیڑا جائے یا ترمیم کی جائے، 26 جولائی کے واقعات پر ایک ''کاما'' تک کا اطلاق نہیں ہوتا۔ آیئے ہم اس آئین کو چھوڑ دیں اور اُسے اُن لوگوں پر اطلاق کرنے کے موقع کا انتظار کریں جنھوں نے واقعی ریاست کے آئینی اختیارات کے خلاف ایک بغاوت ابھار دی ہے۔ میں بعد میں اس ''کوڈ'' پر واپس آؤں گا تا کہ کچھ حالتوں کے متعلق معزز پراسیکیوٹر کی یاداشت کو تازہ کروں جو وہ بدقسمتی سے نظر انداز کر گئے ہیں۔

میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ میں اپنی بات ابھی شروع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کے دل میں آپ کے ملک، انسانیت اور انصاف کے لیے ذرہ بھر محبت بھی موجود ہے تو غور سے سنیے۔ میں جانتا ہوں کہ رجیم ہر ممکن طریقے سے سچ کو دبانے کی کوشش کرے گا۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے گم نامی میں دفن کرنے کی ایک سازش ہوگی۔ مگر میری آواز کو نہ دبایا جا سکے گا۔ یہ حتیٰ کہ اُس وقت بھی میری چھاتی سے ابھرے گی جب میں انتہائی تنہائی محسوس کروں گا، اور میرا دل اُسے ساری آگ عطا کرے گا جو بے حس بزدل اُسے دینے سے انکار کریں گے۔

سوموار 27 جولائی کو پہاڑوں میں ایک معمولی جھونپڑی میں سے، میں نے ہوا میں ڈکٹیٹر کی آواز سنی جب حکومت کے خلاف ابھی ہمارے 18 آدمی اسلحہ اٹھائے ہوئے تھے۔ جن لوگوں نے اس طرح کے لمحے کبھی نہ دیکھے وہ اُس طرح کی تلخی اور طیش کو کبھی نہ جان پائیں گے۔ جس وقت اپنے عوام کو آزاد کرنے کی طویل پرورش کردہ امیدیں ہمارے پاس کھنڈر کی جائیں تو ہم نے اُن کچلی ہوئی امیدوں کو ایک آمر کی طرف سے ہمیشہ سے زیادہ بدکار، زیادہ متکبر، زیادہ لالچی سنا۔ دروغوں اور بہتانوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ، جو اُس کی غیر مہذب، مکروہ، اور نفرت انگیز زبان سے جاری تھا، کا محض اُس نوجوان صاف خون کی نہ ختم ہونے والی ندی سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے جو پچھلی رات سے جاری ہوئی تھی۔ ۔ ۔ جو اُس کی رضا کے ساتھ تھی، سازش کے ساتھ تھی اور منظوری کے ساتھ تھی۔ ۔ ۔ جو تصور کی حد تک ممکن قاتلوں کے غیر انسانی ترین گینگ کی طرف سے بہہ رہا تھا۔ اُس پر ایک لمحے کے لیے یقین کرنا ایک باضمیر آدمی کو اُس کی بقیہ ساری زندگی پشیمانی

اور شرم سے ڈبونے کے لیے کافی ہوتا۔ اُس وقت میں اس کی بدنصیب پیشانی کو سچ کے ایک نشان سے برانڈ کرنے کی امید بھی نہیں کرسکتا تھا جو اسے بقیہ زندگی کے ایام کے لیے اور آنے والے سارے زمانوں کے لیے سزا دے۔ پہلے ہی ہمارے ہتھیاروں کے مقابلے میں سے ایک ہزار سے زیادہ طاقت ور ہتھیاروں سے لیس اور ہماری لاشوں کو لانے کے اٹل احکامات کے ساتھ آدمیوں کا ایک دائرہ ہمارے گرد تنگ ہورہا تھا۔ اب جب کہ سچ باہر نکل رہا ہے، اب جب کہ آپ کے سامنے بولتے ہوئے میں وہ مشن پورا کر رہا ہوں جو میں نے اپنے لیے مقرر کیا ہے، میں سکون اور اطمینان کے ساتھ مر سکوں گا۔ اس لیے میں اُن وحشی قاتلوں سے متعلق اپنے الفاظ چباؤں گا نہیں۔

حکومت نے خود کہا کہ بغاوتی حملہ میں اس طرح کی کمال درستگی اور پختگی تھی کہ ضرور کسی فوجی حکمتِ عملی کے ماہر نے اس کی منصوبہ بندی کی ہوگی۔ اس سے بڑا جھوٹ کوئی نہ ہوگا۔ یہ منصوبہ نوجوانوں کے ایک گروپ نے بنایا تھا، جن میں سے ایک کا بھی ملٹری تجربہ نہ تھا۔ میں اُن کے نام ظاہر کروں گا، صرف دو کا نام نہیں بتاؤں گا جو نہ تو جیل میں ہیں اور نہ مرے ہیں : ایبل سنٹا ماریا، جوزے لوئی تاسندے، ریناٹو گٹارٹ روسل، پیڈرو میریٹ، جیزس مونٹانے، اور میں خود ۔ اُن میں سے نصف مر گئے اور اُن کی یاد کو خراجِ تحسین پیش کرنے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ گو کہ وہ ملٹری ماہر نہ تھے، مگر وہ اتنے زیادہ محب وطن تھے کہ اگر ہم اس قدر نقصان میں نہ جاتے تو وہ سارے جنرلوں کے مشترکہ انبار کو اچھی مار دے سکتے، 10 مارچ کے اُن جنرلوں کو جو نہ سپاہی ہیں اور نہ محب وطن ۔ حملہ کی منصوبہ بندی سے بہت زیادہ مشکل کام اس متشدد رجیم میں ہمارے لوگوں کی تنظیم کاری، ٹریننگ ، موبلائزنگ اور انھیں مسلح کرنا تھا جس نے کہ جاسوسی، رشوت اور انفارمیشن سرمایہ پر ملین ڈالرز خرچ کر رکھے تھے۔ بہر حال، یہ سب کام اُن آمیوں اور اُن جیسے دوسرے لوگوں نے ناقبلِ بیان سنجیدگی، تمیز اور ڈسپلن کے ساتھ مکمل کر لیے۔ اس سے بھی قابلِ تعریف حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اس فریضہ کے لیے جو کچھ اُن کے پاس تھا، دے دیا، حتیٰ کہ بالآخر اپنی جان تک۔

سارے ملک کے دور ترین قصبوں سے آتے ہوئے لوگوں کی اس صوبے تک آخری موبلائزیشن زبردست درستگی اور پوری رازداری کے ساتھ مکمل ہوگئی۔ یہ بات بھی سچ ہے کہ حملہ عظیم الشان کوآرڈی نیشن کے ساتھ کیا گیا۔ یہ باؔیا مو اور سنتیاؔ گوڈی کیوبا، دونوں جگہوں میں ٹھیک صبح پانچ بج کر پندرہ منٹ پر شروع ہوا۔ اور پہلے ہی سے تیار کردہ ایک ایک کر کے منٹوں اور سیکنڈوں کے ٹھیک ٹھیک منصوبے کے ساتھ بیرکوں کے ارد گرد عمارتیں ہماری فوجوں کے قبضے میں آتی چلی گئیں۔ البتہ، سچائی کے حق میں اور خواہ یہ ہماری فضیلت کو کم کر لے، میں پہلی بار ایک حقیقت کا انکشاف کرنے جا رہا ہوں جو مہلک تھی : ایک بہت ہی بدقسمت غلطی کے سبب، ہماری فورسز کا آدھا اور بہتر طور پر مستحکم آدھا' شہر کے داخلے پر راستہ بھٹک گیا اور فیصلہ کن ساعت پر ہماری مدد کو دستیاب نہ تھا۔ آبیل سنتا ماریا، نے 21 آدمیوں کے ساتھ سول ہسپتال پر قبضہ کیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک ڈاکٹر اور ہماری دو عورت کامریڈ زخمیوں کی دیکھ بحال کے لیے گئے۔ راؤل کاسترو نے دس آدمیوں کے ساتھ انصاف محل پر قبضہ کر لیا۔ اور بیرکوں پر حملہ کرنا بقیہ 95 افراد کے ساتھ میری ذمہ داری تھی۔ ہم نے آٹھ آدمیوں کے ایڈوانس گروپ سے پیش قدمی کی جنھوں نے گیٹ نمبر 3 کو فتح کیا تھا، اس کے بعد میں 45 آدمیوں کے پہلے گروپ کے ساتھ پہنچا۔ بالکل یہی جگہ تھی جہاں لڑائی شروع ہوئی۔ جب میری گاڑی کا مشین گنوں سے لیس ایک بیرونی گشت سے آمنا سامنا ہوا، توریزرو گروپ جو کہ تقریباً سارے کا سارا بھاری ہتھیاروں سے لیس تھا غلط گلی سے مڑا اور ناواقف شہر کی گلیوں میں راستہ بھول گیا۔ میں اس حقیقت کو واضح کرتا چلوں کہ مجھے ایک لمحے کو بھی اُن افراد کی جرأت پر شک نہیں ہے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ راستہ بھول گئے ہیں تو انھیں عظیم روحانی اذیت اور سخت ناامیدی ہوئی۔ جس نوعیت کی کارروائی تھی اور چوں کہ مخالف افواج نے ایک جیسی رنگت کے یونیفارم پہن رکھے تھے، تو ان لوگوں کے لیے ہمارے ساتھ دوبارہ رابطہ بحال کرنا آسان نہ تھا۔ اُن میں سے بہت سے بعد میں گرفتار کر لیے گئے اور خالص جرأت کے ساتھ موت سے ملے۔

ہر ایک کو ہدایات تھیں۔ اولین یہ کہ وہ جدو جہد کے دوران ملائم اور ہمدرد رہے۔

دشمنوں کے ساتھ اس قدر دریادل کوئی اور مسلح گروپ نہ ہوا ہوگا۔ شروع ہی سے ہم نے بہت سے قیدی بنا لیے؛ تقریباً 20۔ (اور ایک موقع ایسا آیا جب ہمارے تین آدمی، رامیرو والدیس، جوزی سوآریز اور جیزس مونٹانے) ایک بیرک میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئے اور ایک مختصر وقت کے لیے تقریباً 50 سپاہیوں کو قید کرلیا۔ اُن سپاہیوں نے عدالت کے سامنے بیان دیا اور اُن سب کے سب نے مان لیا کہ ہم اُن کے ساتھ مکمل عزت کے ساتھ پیش آئے اور یہ کہ ہم نے انھیں حتیٰ کہ ایک طنزوالا جملہ تک نہ کہا۔ اس سلسلے میں اپنے کامریڈوں کے مقدمے میں اس ایک بات پر پراسیکیوٹر کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں؛ جب اُس نے اپنی رپورٹ بنائی تو وہ یہ تسلیم کرنے میں کافی منصفانہ رہا کہ ہم نے پوری جدوجہد کے دوران بہادری کے بلند سپرٹ کو برقرار رکھا۔

سرکاری سپاہیوں کے اندر ڈسپلن بہت کم زور تھا۔ انھوں نے اپنی زیادہ تعداد کی بنا پر بالآخر ہمیں شکست دی۔ (پندرہ وہ، ایک ہم) اور قلعہ میں موجودگی کے سبب۔ ہمارے لوگ بہت بہتر نشانہ باز تھے، جس طرح کہ ہمارے دشمنوں نے خود تسلیم کیا تھا۔ دونوں طرف بہادری اعلیٰ تھی۔

اِس افسوس ناک غلطی کے علاوہ جس کا ذکر پہلے کیا گیا، داؤپیچ کی ہماری ناکامی کا تجزیہ کرتے ہوئے میرا خیال ہے کہ ہم نے اُس کمانڈو یونٹ کو تقسیم کر کے غلط کیا جس کی ہم نے بہت احتیاط سے تربیت کی تھی۔ ہمارے بہترین تربیت یافتہ آدمیوں اور لیڈروں میں 27 بایامو میں تھے، 21 سول ہسپتال میں، اور دس انصاف محل میں۔ اگر ہماری فورس مختلف طریقے سے تقسیم ہوتی تو لڑائی کا نتیجہ مختلف ہوتا۔ گشت کے ساتھ تصادم بالکل حادثاتی تھا، اس لیے کہ یونٹ اِس جگہ پر 20 سکینڈ پہلے یا 20 سیکنڈ بعد میں ہوسکتا تھا)۔ اس تصادم نے کیمپ کو خبردار کردیا، اور اُسے متحرک ہونے کا وقت دیا۔ وگرنہ یہ ایک گولی چلائے بغیر ہمارے قبضے میں ہوتا، اس لیے کہ ہم نے گارڈ پوسٹ کو پہلے ہی قابو کرلیا تھا۔ دوسری طرف 22 کیلبر رائیفلو کے ماسوا، جن کے لیے گولیاں بہت تھیں، ہماری طرف گولیاں بہت کم تھیں۔ اگر ہمارے پاس ہینڈ گرنیڈ ہوتے تو آرمی پندرہ منٹ تک کے لیے بھی ہماری مزاحمت کرنے کے قابل نہ ہوتی۔

جس وقت میں قائل ہوگیا کہ بیر کوں پر قبضہ کرنے کی ساری کوششیں اب بے کار ہیں، تو میں نے اپنے آدمیوں کو آٹھ اور دس کی ٹولیوں میں واپس بلانا شروع کیا۔ ہماری پسپائی کو پیڈرو میرٹ اور فیڈل لبراڈور کی کمان میں چھ ماہر نشانہ باز کور دے رہے تھے۔ انھوں نے آرمی کی پیش قدمی کو بہادری سے روکے رکھا۔لڑائی میں ہمارا نقصان برائے نام ہوا۔ ہماری ہلاکتوں کا 95 فیصد تو لڑائی کے بعد آرمی کی غیر انسانیت کی وجہ سے ہوا۔ سول ہسپتال کے گروپ میں محض ایک ہلاکت ہوئی، بقیہ کو اُس وقت جال میں پھنسا دیا گیا جب فوج نے باہر جانے کا واحد راستہ بلاک کر دیا۔مگر ہمارے جوانوں نے اُس وقت تک ہتھیار نہ ڈالے جب تک کہ اُن کی آخری گولی ختم نہ ہوئی۔ اُن کے ساتھ ابیل سنتا ماریا تھا، جو ہمارے جوانوں میں سب سے زیادہ عالی ہمت تھا ،سب سے زیادہ محبوب تھا، اور اس کی شان دار مزاحمت نے کیوبائی تاریخ میں اُسے لافانی بنا دیا۔ اُن کا انجام کیا ہوا ہم دیکھیں گے، اور کس طرح بتستا نے ہمارے نوجوانوں کی بہادری کو سزا دینے کی ٹھان لی۔

رجمنٹ پر حملہ ناکام ہونے کی صورت میں ہم نے پہاڑوں میں جدوجہد کو جاری رکھنے کا منصوبہ بنایا۔ سیبونی کے مقام پر میں اپنی فورسز کی ایک تہائی جمع کرنے کے قابل ہوا، مگر اُن آدمیوں میں بہت سے اب حوصلہ ہار چکے تھے۔ اُن میں سے تقریباً 20 نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ بعد میں ہم دیکھیں گے کہ اُن کے ساتھ کیا ہوا۔ باقی 18 آدمی بچے کھچے اسلحہ اور گولیوں کے ساتھ میرے ساتھ پہاڑوں میں چلے۔ علاقہ ہمارے لیے مکمل طور پر نا آشنا تھا۔ ایک ہفتہ تک ہم نے گران پیڈرا کی چوٹیاں قبضے میں رکھیں جبکہ آرمی پہاڑ کے دامن پر قابض تھی۔ ہم نیچے نہیں اتر سکتے تھے، وہ اوپر آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ یہ اسلحہ کا زور نہ تھا بلکہ بھوک اور پیاس تھی جس نے بالآخر ہماری مزاحمت پر قابو پالیا۔ مجھے آدمیوں کو چھوٹے گروہوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ ان میں سے کچھ آرمی کی صفوں میں سے پھسل نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ باقیوں کو مانسگنور پیریز سیرانتز نے گھیرے میں لے لیا۔ آخر میں دو کامریڈ میرے ساتھ رہ گئے (جوزے سوآریز اور آسکر الکالڈے)۔ ہم تینوں مکمل طور پر تھک چکے تھے لیفٹیننٹ ساریا کی قیادت میں ایک دستے نے

صبح صادق کے وقت سوتے میں اچانک ہمیں آن لیا۔ یہ یکم اگست کا ہفتے کا دن تھا۔ اُس وقت تک ملک میں عوامی احتجاج کے نتیجے میں قیدیوں کا ذبیحہ رک گیا تھا۔ اس آفیسر اور باوقار شخص نے، ہمیں موقع پر ہلاکت سے بچایا جب کہ ہمارے ہاتھ پشت پہ بندھے تھے۔

یہاں مجھے اگالڈے کیریلو اینڈ کمپنی کے احمق بیانات کی تردید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جس نے خود اپنی بزدلی، نااہلی اور مجرمی کو چھپانے کی کوشش میں میرے نام کو داغ دار کرنے کی کوشش کی۔ حقائق کافی واضح ہیں۔

میرا مطلب عدالت کو جنگی بیان سے بور کرنا نہیں ہے۔ جو کچھ میں نے کہا ہے، وہ جو کچھ ابھی آنا ہے اُس کی جامع تفہیم کے لیے لازمی ہے۔ میں آپ کو دو اہم حقائق بتاتا ہوں۔ اس سے ہمارے رویے کی معروضیت کا سمجھنا آسان ہوگا۔ پہلا : ہم افسرانِ بالا کو گھروں پر قابو کر کے رجمنٹ پر آسانی سے کنٹرول کر سکتے تھے۔ اس امکان کو محض اس انسانی احساس کے سبب مسترد کیا گیا کہ ہم اُن کی فیمیلیز کی موجودگی میں ٹریجڈی سے پرہیز کرنا چاہتے تھے۔ دوم : ہم نے اُس وقت تک کسی ریڈیو اسٹیشن پر قبضہ نہ کرنے کا فیصلہ کیا جب تک کہ آرمی کیمپ ہمارے قبضہ میں نہ آئے۔

یہ رویہ، غیر معمولی طور پر بڑے پن اور دوسروں کا خیال رکھنے والا تھا۔ اس رویے نے شہریوں کو ایک بڑی خون ریزی سے بچایا۔ میں صرف دس آدمیوں سے ایک ریڈیو اسٹیشن پر قبضہ کر سکتا تھا اور عوام سے بغاوت کرنے کا کہہ سکتا تھا۔ لڑنے کے لیے عوامی عزم پر کوئی شک ہی نہ تھا۔ میرے پاس CMQ ریڈیو نیٹ ورک پر ایڈوارڈ وچباس کے آخری پیغام اور حب الوطنی کی نظمیں اور جنگی ترانوں کی ریکارڈنگ موجود تھی جو کسی غیر حساس ترین آدمی کو بھی ابھار سکتے تھے۔ بالخصوص اُن کے کانوں میں زندہ لڑائی کی آوازوں کے ساتھ۔ مگر میں نے انھیں استعمال کرنا نہیں چاہا، حالاں کہ ہماری حالت مایوس کن تھی۔

حکمران ٹولہ زوردار انداز میں دہراتا رہا کہ ہماری تحریک کو مقبول مدد حاصل نہ تھی۔ میں نے کبھی اس قدر احمقانہ اور بہ یک وقت اس قدر بری نیت سے بھرا دعویٰ نہیں سنا۔ حکمران ٹولہ عوام

کی طرف سے تابع داری اور بزدلی دکھانا چاہتا ہے۔ وہ سب مگر دعویٰ کرتے ہیں کہ عوام آمریت کی حمایت کرتے ہیں : انھیں معلوم نہیں کہ بہادر، اعلیٰ، اور اشرف لوگوں کے لیے یہ کتنا توہین آمیز ہے۔ سنتیاگو کا خیال تھا کہ ہمارا حملہ سپاہیوں کے دو گروہوں کے بیچ ایک مقامی جھگڑا ہے۔ کئی گھنٹے بعد انھیں معلوم ہوا کہ اصل میں ہوا کیا تھا۔ سنتیا گوڈی کیوبا کے باغی اور محب وطن عوام کی بہادری، مہذب افتخار اور لامحدود بہادری پہ کوئی شک کر سکتا ہے؟ اگر مونکیڈا ہمارے قبضے میں آجاتا، تو حتیٰ کہ سنتیا گوڈی کیوبا کی عورتیں بھی اسلحہ اٹھا لیتیں۔ سول ہسپتال کی کئی نرسیں تو ہمارے لڑاکوؤں کے لیے لوڈ ڈ رائفلیں تھیں۔ وہ ہمارے شانہ بشانہ لڑیں۔ یہ ایک ایسی بات ہے جسے ہم کبھی نہیں بھولیں گے۔

ہم اچانک حیران کن حملے میں اُن پہ اور ان کے اسلحہ پہ قابو پانا چاہتے تھے۔ رجمنٹ کے سپاہیوں کے ساتھ جنگ کرنا کبھی ہمارا ارادہ نہ رہا۔ پھر ہم عوام کو ابھارتے اور سپاہیوں سے مطالبہ کرتے کہ وہ آمریت کے مکروہ جھنڈے کو ترک کر دیں اور آزادی کے جھنڈے کو گلے لگائیں۔ قوم کے عظیم مفاد کا دفاع کریں نہ کہ ایک چھوٹے سے گروہ کے حسیر مفاد کا۔ یہ کہ اپنی بندوقوں کا رخ موڑ دیں اور عوام کے دشمنوں پر فائر کریں نہ کہ عوام پر جن کے اندر اُن کے اپنے بیٹے اور باپ موجود ہیں۔ عوام کے ساتھ بھائیوں کی طرح جُڑ جائیں نہ کہ انھیں اپنا دشمن سمجھیں جس طرح کہ حکومت انھیں ایسا بنانا چاہتی ہے۔ اُس واحد خوب صورت تصور کے پیچھے مارچ کریں جس کے لیے اپنی زندگی قربان کی جا سکے، یعنی اپنے ملک کی خوشی اور عظمت۔ میں اُن لوگوں سے سوال کرتا ہوں جنھیں اس بات پر شک ہے کہ کئی سپاہی ہمارے ساتھ آجاتے : کون سا کیوبائی انسان شان کی پرورش نہیں کرتا؟ آزادی کے وعدے سے کون سا دل تاب ناک نہیں ہوتا؟

نیوی ہمارے خلاف نہیں لڑی، اور وہ یقینا بعد میں ہماری طرف آجاتی۔ یہ معلوم بات ہے کہ آرمڈ فورسز کی وہ شاخ ڈکٹیٹر شپ سے کم سے کم مغلوب ہے اور یہ کہ اُس کے ممبروں کے اندر حد درجہ شہری شعور موجود ہے۔ مگر جہاں تک قومی مسلح افواج کے بقیہ کا تعلق ہے، تو کیا وہ ایک بغاوت والے عوام کے خلاف لڑتے؟ میں اعلان کرتا ہوں کہ وہ ایسا نہ کرتے۔ چوں کہ

ایک سپاہی گوشت پوست کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ وہ سوچتا ہے، مشاہدہ کرتا ہے اور محسوس کرتا ہے۔ وہ عوام کی رائے سے، عقیدوں سے، ہمدردیوں سے اور نفرتوں سے متاثر ہوتا ہے۔ اگر آپ اُس کی رائے پوچھیں تو وہ آپ کو بتائے گا کہ وہ اس کو بیان نہیں کرسکتا، مگر اِس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس کے پاس رائے ہے ہی نہیں۔ وہ بھی انھی چیزوں سے متاثر ہوتا ہے جن سے دوسرے شہری متاثر ہوتے ہیں۔ جیسے کہ خوراک، کرایہ، اُس کے بچوں کی تعلیم، اُن کا مستقبل، وغیرہ۔ اس طرح کی ہر ایک چیز اُس کے اور عوام کے بیچ رابطے کا ناگزیر نکتہ ہوتی ہے، اور اس طرح کی ہر چیز اُسے اپنے سماج کے حال اور مستقبل کی صورت حال سے وابستہ کردیتی ہے۔ یہ سوچنا احمقی ہے کہ ریاست کی طرف سے ایک سپاہی جو تنخواہ لیتا ہے (جو کہ بہت کم ہوتی ہے) وہ اپنی کمیونٹی کے ایک ممبر کے بہ طور اس کی ضروریات، فرائض اور احساسات کی طرف سے اُس پر مسلط کردہ اہم مسائل کو حل کرے گا۔

یہ مختصر وضاحت ضروری تھی اس لیے کہ یہ ایک نکتے کے لیے بنیاد ہے جس پر اب تک صرف چند لوگوں نے ہی توجہ دی ہے۔ سپاہی عوام کی اکثریت کے احساسات کے لیے گہرا احترام رکھتے ہیں! ماچاڈو حکمرانی کے دور میں، اُسی تناسب سے جس سے کہ مقبول نفرت بڑھ گئی، فوج کی وفاداری بہت کم ہوئی۔ یہ اس قدر سچی بات تھی کہ عورتوں کا ایک گروہ تقریباً تقریباً کولمبیا کیمپ کو تخریب کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ مگر یہ اُس سے بھی زیادہ ایک حالیہ واقعہ سے ثابت ہو گیا ہے۔ جب کہ گراؤ سان مارٹن حکمرانی عوام الناس میں اپنی حد سے زیادہ مقبولیت کو برقرار رکھنے کے قابل تھی؛ بے باک سابق افسران اور اقتدار کے بھوکے سویلینوں نے آرمی میں بے شمار سازشوں کی کوشش کی، مگر فوج کی صفوں میں انہیں کوئی شنوائی نہ ملی۔

10 مارچ کو دتا ایسے وقت ہوا جب سول حکومت کا وقار اپنی پست ترین حد تک گھٹ گیا تھا، جس کا فائدہ بتستا اور اس کے گروہ نے اٹھالیا۔ انھوں نے یکم جون کو کیوں اپنا حملہ نہیں کیا؟ صرف اس لیے کہ اگر وہ انتخابات میں قوم کی اکثریت کو اپنی مرضی کے اظہار کرنے کا انتظار کرتے تو فوج سازش سے متاثر نہ ہوتی۔ چناں چہ، ایک دوسرا دعویٰ بنایا جاسکتا ہے : آرمی نے

کبھی بھی ایسی رجیم کے خلاف بغاوت نہیں کی جس کے پیچھے ایک مقبول اکثریت تھی۔ یہ تاریخی سچائیاں ہیں اور اگر بتستا ہر قیمت پہ کیوبائیوں کی اکثریت کی مرضی کے بغیر اقتدار میں رہنے کا اصرار کرتا ہے تو اُس کا انجام جیرارڈ و مچاڈو سے زیادہ بھیانک ہوگا۔

مجھے مسلح افواج کے بارے میں رائے دینے کا حق اس لیے ہے کہ میں نے اُس وقت بھی اُن کا دفاع کیا تھا جب باقی سب خاموش تھے۔ اور میں نے ایسا نہ تو ایک سازش کے بطور کیا، نہ کسی ذاتی فائدے کے لیے۔۔۔ اُس وقت ہمیں مکمل آئینی اختیار حاصل تھے۔ مجھے صرف نرم انسانی جبلت اور مہذب فریضہ نے آمادہ کیا تھا۔ اُن دنوں قومی سیاسی معاملات پر اُس کی پوزیشن کی بنا پر ''الرٹا'' نامی اخبار سب سے زیادہ پڑھا جاتا تھا۔ اُس اخبار کے صفحوں پر میں نے اُس جبری مشقت کے خلاف مہم چلائی جس کے تحت سپاہی اعلیٰ سول شخصیات اور ملٹری افسروں کی نجی جائیدادوں پر کرنے پہ مجبور تھے۔ 3 مارچ 1952ء کو میں نے عدالتوں کو اعداد وشمار، تصاویر، فلمیں اور دیگر ثبوت دے کر اِس صورت حال کی مذمت کی تھی۔ اُن مضامین میں میں نے اس بات کی نشان دہی بھی کی تھی کہ آرمی کی تنخواہیں بڑھانا بنیادی شائستگی تھی۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ سپاہیوں پر مسلط اس ساری ناانصافی کے خلاف اُس موقع پر اور کون بولا تھا۔ یقیناً بتستا اینڈ کمپنی نے ایسا نہیں کیا تھا، وہ تو اپنی پُرتعیش جاگیروں میں حفاظت سے رہ رہے تھے، جن کے گرد ہر طرح کے حفاظتی اقدامات کیے ہوئے تھے، جب کہ میں ہزاروں خطرات میں تھا اور میرے پاس نہ تو باڈی گارڈز تھے اور نہ اسلحہ تھا

جس طرح میں نے اُس وقت سپاہیوں کی حمایت کی تھی، بالکل اُسی طرح اب جب کہ دوسرے لوگ ایک بار پھر خاموش ہیں۔ میں انھیں بتاتا ہوں کہ انھوں نے خود کو بری طرح دھوکہ دلانے کی اجازت دی : اور دس مارچ کے دھوکے اور شرم میں انھوں نے سنتیا گوڈی کیوبا کے خوف ناک اور بلاجواز جرائم کی ذلت، ہزار گنا زیادہ ذلت کا اضافہ کر دیا۔ اُس وقت سے، آرمی کی یونیفارم خون سے آلودہ ہے۔ اور جس طرح کہ پچھلے سال میں نے عوام کو بتایا اور عدالتوں کے سامنے دہائی دی تھی کہ سپاہی نجی جاگیروں پر غلاموں کی طرح کام کر رہے ہیں، آج میں یہ تلخ الزام

لگا رہا ہوں کہ ایسے سپاہی ہیں جو سر سے لے کر پاؤں تک کیو بائی نو جوانوں کے خون سے لتھڑے ہوئے ہیں جن کو انھوں نے ٹارچر کیا اور تہہ تیغ کیا۔ اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر آرمی ریپلک کی خدمت کرے، قوم کا دفاع کرے، عوام کی عزت اور حفاظت کرے تو پھر اُن کی تنخواہ کم از کم سو پیسو ماہوار کر دی جائے ۔لیکن اگر سپاہی عوام کو قتل اور محکوم کریں، قوم سے دغا کریں، اور محض ایک چھوٹے سے گروپ کے مفادات کا دفاع کریں تو پھر آرمی کو، رپبلک کے پیسے سے ایک ٹکے کا بھی حق نہیں ہے۔ اور کیمپ کولمبیا کو سپاہیوں کے بجائے وہاں رہنے والے دس ہزار یتیموں کے سکول میں تبدیل کیا جائے۔

میں ہر چیز سے بالاتر ہونا چاہتا ہوں۔ اس لیے میں سارے سپاہیوں پر اُن شرم ناک جرائم کا الزام نہیں دوں گا جو چند برے اور غدار فوجیوں نے کیے۔ مگر ہر وہ باوقار برحق سپاہی جو اپنے پیشے اور وردی سے محبت کرتا ہے، اُس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اِس گناہ کے دھلنے کا مطالبہ کرے اور لڑے، اِس غداری کا انتقام لے اور یہ دیکھے کہ گناہ گار کو سزا ملے۔ بہ صورتِ دیگر سپاہی کی یونیفارم ایک فخر کے سر چشمے کے بجائے ہمیشہ کے لیے نا کامی کا نشان ہوگی۔

یقینا دس مارچ ٹولے کے لیے سپاہیوں کو نجی جائیدادوں سے ہٹانے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ تھا۔ مگر اُس نے ایسا صرف اس لیے کیا تا کہ وہ ان حقیر سیاست دانوں کے ہجوم کے مجموعے کے لیے دربان، شوفر، ملازم اور باڈی گارڈ کے بطور کام کریں جو آمریت کی پارٹی تشکیل دیتے ہیں۔ ہر چوتھے یا پانچویں رینک کا اہلکار اپنا حق سمجھتا ہے کہ ایک سپاہی اُس کی کار چلائے اور اس کی حفاظت کرے جیسے وہ چوتڑ پہ ایک ٹھوکر حاصل کرنے کے مسلسل خوف میں ہو، جس کا کہ وہ واقعی حق دار ہے۔

اگر وہ اصل اصلاحات کو آگے بڑھانے میں واقعی دلچسپی رکھتے تو حکمران ٹولے نے کیوں جاگیروں اور جینو ویو پیریز جیسے لاکھوں لوگوں کی دولت کو ضبط نہیں کیا جنھوں نے سپاہیوں کا استحصال کرنے سے اتنی زیادہ دولت جمع کی، انھیں غلاموں کی طرح ہانکا اور مسلح افواج کے فنڈز کو خرد برد کیا؟ مگر نہیں: جینو دیو پیریز اور اُس کی طرح کے دوسروں کے پاس بلا شبہ ابھی

تک سپاہی ہیں جو اُن کی جاگیروں پر اُن کی حفاظت کر رہے ہیں اس لیے کہ دس مارچ جنرل اپنے دل کی گہرائی میں اُسی مستقبل کی تمنا کرتے ہیں اور اُس طرح کی مثال قائم ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

دس مارچ ایک بدنصیب دھوکہ تھا۔ جب بتستا اور اس کا کرپٹ اور بے وقار سیاست دانوں کا ٹولہ اپنے انتخابی منصوبہ میں ناکام ہوا تھا، تو اس نے آرمی کی بے چینی سے فائدہ اٹھایا اور سپاہیوں کے کندھوں کو اقتدار پر چڑھنے کے لیے استعمال کیا۔ اور میں جانتا ہوں کہ بہت سے آرمی والے ہیں جو اَب متنفر ہیں، اس لیے کہ انھیں مایوس کر دیا گیا ہے۔ پہلے اُن کی تنخواہ بڑھا دی گئی، مگر بعد میں، ہر طرح کی کمی اور کٹوتی کے ذریعے، اسے دوبارہ کم کر دیا گیا۔ پرانے عناصر کے بہت لوگ جو افواج سے الگ ہو گئے تھے واپس صفوں میں آ گئے اور انھوں نے نوجوان، اہل اور قابلِ قدر آدمیوں کا راستہ روک دیا جو کہ آگے جا سکتے تھے۔ اچھے سپاہیوں کو نظر انداز کیا گیا جب کہ بدترین اقربا پروری برقرار رہی۔ بہت سے عمدہ فوجی اب خود سے پوچھ رہے ہیں کہ اس بات کی کیا ضرورت تھی کہ مسلح افواج نے ہمارے آئین کو تباہ کرنے کی بہت بڑی تاریخی ذمہ داری اٹھائی، محض بداخلاق آدمیوں کے ایک گروپ کو اقتدار دلانے کے لیے، بری شہرت رکھنے والے آدمی، کرپٹ، سیاسی طور پر تلافی سے پرے ذلیل آدمی، جن کو اگر بندوقوں کی نوک میسر نہ ہوتی تو وہ کبھی بھی ایک سیاسی عہدہ نہ لے سکتے تھے : اور وہ بھی نہ تھے جن کے اپنے ہاتھ میں بندوقیں ہوں۔

دوسری طرف سپاہی سویلینز سے زیادہ بدتر جبر بھگتتے ہیں۔ وہ مستقل کڑی نگرانی میں ہیں اور ان میں سے ایک کو بھی اپنے کام میں معمولی تحفظ تک حاصل نہیں۔ ذرا سا بلا جواز شک، کوئی کھسر پھسر، کوئی سازش یا گالی تبادلے' بے وقار سبک دوشی' یا قید کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ کیا ٹابرنیلا نے، ایک میمورنڈم میں، انھیں کسی بھی ایسے فرد سے بات کرنے پر منع نہیں کیا جو کہ حکومت کا مخالف ہو۔ یعنی عوام کے 99 فیصد سے؟... اعتماد کی اس قدر کمی! حتیٰ کہ روم کی پاک دامن کنواریوں کو بھی ایسے کسی قانون کی تابع داری نہ کرنی پڑی تھی! جہاں تک بھرتی شدہ لوگوں

کے لیے تشہیر کردہ چھوٹے چھوٹے گھروں کی بات ہے، تو وہ تو پورے جزیرے میں 300 بھی نہیں ہیں۔ تو پھر جو پیسہ ٹینکوں، توپوں اور دوسرے اسلحہ کے لیے خرچ کیا گیا اُس کا کیا فائدہ جب سپاہی کو رہنے کے لیے گھر نہیں ہے۔ بتستا کو آرمی کا خیال رکھنے میں کوئی دلچسپی نہیں، مگر یہ کہ آرمی اُس کا خیال رکھتی ہے! وہ ظلم وستم اور قتل کرنے کے آرمی کی طاقت کو بڑھاتا ہے مگر وہ سپاہیوں کے حالاتِ زندگی کو بہتر نہیں بناتا۔ تہری گارڈ ڈیوٹی، بیرکوں میں مسلسل محدودی، مسلسل تشویش، عوام کی دشمنی، مستقبل کی غیر یقینیت... یہی کچھ اُس نے سپاہیوں کو دیا۔ دوسرے لفظوں میں ''اے سپاہی! تم رجیم کے لیے مرو، اُسے اپنا خون پسینہ دے دو۔ ہم ایک تقریر تمھیں نذر کریں گے اور بعد از مرگ ترقی دیں گے (جب اُس کی اہمیت نہ ہوگی) اور بعد میں ... ہم عیش سے زندگی گزارتے رہیں گے، خود کو امیر بناتے رہیں گے۔ عوام کو قتل کرو، اُن سے بد سلوکی کرو، انھیں مارو پیٹو۔ جب عوام تھک جائیں اور یہ سب کچھ اختتام تک پہنچے تو تم ہمارے جرائم کا خمیازہ بھگتو گے جب کہ ہم بیرونِ ملک جائیں گے اور بادشاہوں کی طرح رہیں گے۔ اور اگر کسی دن ہم لوٹ آئیں، تو تم یا تمہارے بچے ہمارے محل کے دروازے مت کھٹکھٹانا، اس لیے کہ ہم لکھ پتی، اور، مزید لکھ پتی ہوتے جائیں گے اور غریبوں سے گھلیں ملیں گے نہیں۔ سپاہی تم عوام کو قتل کرو، اس پہ ظلم وستم ڈھاؤ، رجیم کے لیے مرجاؤ، اپنا خون پسینہ دو...''

لیکن اگر اس غمگین سچ سے اندھے ہو کر سپاہیوں کی ایک اقلیت نے عوام کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کیا تھا، وہ عوام جو خود کو استبداد سے آزاد کرنے جارہے تھے، تو فتح پھر بھی عوام کو جانی تھی۔ معزز پراسیکیوٹر ہماری کامیابی کے امکانات جاننے کے لیے بہت بے تاب تھا۔

یہ امکانات ٹیکنیکل، ملٹری اور سماجی ضابطے پر مبنی تھے۔ انھوں نے یہ فرضی داستان قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ جدید ہتھیار آمروں کا تختہ الٹنے میں عوام کو ناکام بنادیں گے۔ ملٹری پریڈ اور جنگی مشین کی پرشکوہ نمائش اس فرضی داستان کو جاری رکھنے اور عوام میں حتمی کمزوری کا ایک وہم پیدا کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مگر عوام جب ایک بار اپنے حقوق دوبارہ حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیں، تو پھر کوئی اسلحہ، کوئی تشدد انھیں مغلوب نہیں کرسکتا۔ ماضی اور حال دونوں

ایسی مثالوں سے بھرے ہیں۔ سب سے حالیہ مثال تو بلیویا کی بغاوت ہے جہاں معدنی مزدوروں نے ڈائنا مائٹ لاٹھیوں سے ریگولر آرمی کی رجمنٹوں پر کاری ضرب لگا کر انھیں شکست دی۔

خوش قسمتی سے، ہم کیو باوالوں کو مثالیں باہر سے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی اور مثال ہماری اپنی سرزمین کی مثالوں سے زیادہ متاثر کن نہیں ہے۔ 1895ء کی جنگ میں کیوبا کے اندر سپین کے تقریباً نصف ملین سپاہی تھے، اُس تعداد سے کافی زیادہ جس سے آج ڈکٹیٹر پانچ گنا سے زیادہ آبادی کو قابو رکھنے پر تکیہ کیے ہوئے ہے۔ سپین والوں کے پاس اسلحہ ہمارے گوریلا سپاہیوں کے پاس اسلحہ کی بہ نسبت زیادہ اپ ٹو ڈیٹ بھی تھا اور طاقت ور بھی۔ عموماً سپین والے فیلڈ آرٹلری سے مسلح تھے اور انفنٹری برنج لوٹ (بریچ لوڈرز) استعمال کرتے تھے۔ کیو باوالوں کے پاس اپنے کارٹرچ (بڑا چھرا) سے زیادہ کوئی اسلحہ نہ تھا، اس لیے کہ ان کی گولیوں کے کمر بند تقریباً ہمیشہ خالی رہتے۔ ہماری جنگِ آزادی کی تاریخ میں ایک ناقابلِ فراموش گزرگاہ ہے جو انتونیو ماسیو کے چیف جنرل میرو ارجنٹر نے بیان کیا۔ میں اُسے کاغذ کے اس ٹکڑے پر نقل کر کے لانے میں کامیاب ہوا اس لیے مجھے اپنی یادداشت پر انحصار نہیں کرنا پڑے گا:

''پیڈرو ڈیلگا ڈو کے زیر کمان غیر تربیت یافتہ لوگ، جن میں اکثریت محض کارٹرچ سے مسلح تھی، تقریباً ہلاک شدہ تھی اس لیے کہ وہ خود کو سپین والوں کی ٹھوس صف پر پھینک دیتے۔ اس بات پر زور دینا مبالغہ نہیں ہے کہ ہر 50 آمیوں میں سے 25 مارے گئے۔ کچھ تو سپین والوں پر حتیٰ کہ چاقو کے بغیر اپنے ننگے مکوں سے حملہ کرتے تھے۔ دریائے ہونڈو کے ساتھ ساتھ سرکنڈوں میں تلاش کرتے ہوئے، ہم نے کیوبائی پارٹی کے پندرہ مزید ہلاک شدگان تلاش کر لیے، اور یہ فوری طور پر واضح نہ ہو سکا کہ وہ کس گروپ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اسلحہ بردار نہیں لگتے تھے، ان کے لباس سلامت تھے اور اُن کی کمر سے پانی پینے کے صرف ٹین کے کپ لٹک رہے تھے۔ کچھ قدم دور ایک مرا ہوا گھوڑا پڑا تھا۔ اس کے سارے زین ولگام سلامت تھے۔ ہم نے اس ٹریجڈی کے کلائمکس کو از سر نو تعمیر کیا۔ ان آدمیوں نے اپنے بہادر چیف لیفٹنٹ کرنل پیڈرو ڈیلگا ڈو کی قیادت میں ہیروؤں کا درجہ پایا۔ انھوں نے نہتے ہاتھوں خود کو سنگینوں پر پھینک دیا۔ اُن کے گرد

دھات کے ٹکرانے کی جو آوازیں تھیں وہ اُن کے زین کے مُٹھ سے ٹکرانے والے پانی پینے کے کپ تھے۔ ماسیو بہت متاثر ہوا۔ موت کو ہر شکل میں دیکھتے رہنے کا عادی یہ شخص اُس وقت یہ تعریف بڑبڑا رہا تھا: ''میں نے اس طرح کی چیز کبھی نہیں دیکھی، غیر تربیت یافتہ اور غیر مسلح لوگ محض پانی پینے کے کپ کے ساتھ سپین والوں پر حملہ کر رہے ہیں۔ اور میں اُسے مزاحمت کا نام دیتا ہوں۔''

اس طرح لڑتے ہیں لوگ۔ جو اپنی آزادی حاصل کرنا چاہتے ہوں، وہ ہوائی جہازوں پر پتھر پھینکتے ہیں اور ٹینک الٹا دیتے ہیں! جونہی سنٹیا گوڈی کیوبا ہمارے قبضے میں آتا تو ہم فوری طور پر اورینٹے کے لوگوں کو جنگ کے لیے تیار کرتے۔ باقاعدہ دریائے کاؤٹو کے ساتھ ہمارے ایڈوانس دستوں کی پوزیشن جاننے کے لیے بایامو پر حملہ کیا گیا۔ یہ کبھی نہ بھولیں کہ اس صوبے میں آج پندرہ لاکھ انسان بستے ہیں، یہ کیوبا کا سب سے باغی اور محب وطن صوبہ ہے۔ یہ وہی صوبہ تھا جو تیس برس تک آزادی کے لیے لڑنے کے لیے چنگاریاں نکالتا رہا، اور اس کی بھاری قیمت خون، قربانی، اور ہیروازم سے ادا کرتا رہا۔ اورینٹے میں آپ ابھی تک اُس شان دار جنگ نامہ کی ہوا میں سانس لے سکتے ہیں۔ صبح سویرے، جب مرغا بانگ دیتا ہے تو لگتا ہے سپاہی فوج کو جگانے بگل بجا رہے ہوں، اور جب ناہموار کھردرے پہاڑوں پر روشن سورج ابھرتا ہے تو لگتا ہے کہ ایک بار پھر ہم یارا یا بائر کے دن جئیں گے!

میں بیان کر چکا ہوں کہ کامیابی کے لیے امکان کی دوسری جس تجویز کو ہم نے بنیاد بنایا تھا وہ سماجی نظم کا تھا۔ ہمیں عوام کی حمایت کا کیوں یقین تھا؟۔ جب ہم عوام کی بات کرتے ہیں تو ہم اُن کی بات نہیں کر رہے جو آرام سے رہتے ہیں، قوم کے رجعت پسند عناصر، جو کسی بھی استبدادی رجیم کا خیر مقدم کرتے ہیں، کسی بھی ڈکٹیٹر شپ کا، کسی بھی جبر وظلم کا۔ خود کو وقت کے مالکوں کے سامنے جھکا دیتے ہیں جب تک کہ وہ اُن کی پیشانیوں کو زمین میں پیس ڈالتے ہیں۔ جب ہم جدوجہد کی بات کرتے ہیں اور عوام کا ذکر کرتے ہیں تو ہم اُس وسیع نہ خریدے گئے عوام الناس کی بات کر رہے ہوتے ہیں جن سے ہر شخص وعدے کرتا ہے اور جن کو سب دھوکہ دیتے ہیں

۔ہمارا مطلب ہے وہ عوام جو ایک بہتر، زیادہ باوقار اور زیادہ منصفانہ قوم کی آرزو کرتے ہیں، جنھیں انصاف کے لیے آبائی آرزو متاثر کرتے ہیں اس لیے کہ وہ نسل در نسل ناانصافی اور تضحیک کے عذاب جھیلتے آرہے ہیں۔ وہ جو اپنی زندگی کے سارے پہلوؤں میں عظیم اور عقل مند تبدیلیوں کے لیے آرزو کرتے ہیں، جو اُن تبدیلیوں کے حصول کے لیے اپنی آخری سانس تک تیار ہیں جب وہ کسی چیز یا کسی شخص اعتماد کرتے ہیں، بالخصوص جب وہ خود پر یقین کر لیتے ہیں۔ کسی بھی کوشش میں اخلاص اور نیک نیتی کی پہلی شرط ٹھیک وہی کچھ کرنا ہوتا ہے جو کوئی اور کبھی بھی نہیں کرتا ہے۔ یعنی کسی خوف کے بغیر حتمی وضاحت کے ساتھ بات کرنا۔ بازاری لیڈرز اور پیشہ ور سیاست دان جو ہر چیز کے بارے میں درست ہونے کا معجزہ کرنے اور ہر ایک کو خوش کرنے کی اداکاری کر پاتے ہیں، وہ لازمی طور پر ہر چیز کے بارے میں ہر ایک کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں۔ انقلابیوں کو لازماً اپنے خیالات جرأت مندی سے مشتہر کرنے چاہئیں۔ اپنے اصول واضح کرنے چاہئیں اور اپنے ارادے بیان کرنے چاہئیں تاکہ کسی کو بھی دھوکہ نہ ہو؛ نہ دشمن کو نہ دوست کو۔

جدوجہد کے باب میں، جب ہم عوام کی بات کرتے ہیں تو ہم اُن چھ سو ہزار کیوبائیوں کی بات کر رہے ہوتے ہیں جو بغیر روزگار کے ہیں۔ جو روزانہ کی اپنی گزر بسر کی تلاش میں اپنے وطن سے مہاجرت کیے بغیر، روٹی ایمانداری کے ساتھ کمانا چاہتے ہیں۔ پانچ سو ہزار زرعی مزدور جو کہ تکلیف دہ جھونپڑوں میں رہتے ہیں، جو سال میں چار ماہ کام کرتے ہیں اور بقیہ میں فاقہ کرتے ہیں، اپنی بدبختی اپنے بچوں کے ساتھ شریک کرتے ہوئے جن کے پاس کاشت کرنے کو ایک انچ زمین نہیں ہے اور جن کا وجود کسی بھی دل کو ہلا کر رکھ دیتا ہے جو پتھر کا بنا نہ ہو۔ چار سو ہزار صنعتی مزدور جن کے ریٹائرمنٹ فنڈز خرد برد ہوئے، جن کے بینیفٹ واپس کیے جارہے ہیں، جن کے گھر افلاس کے کوارٹرز ہیں، جن کی تنخواہیں مالک کے ہاتھ سے قرض دینے والوں کے ہاتھوں کو منتقل ہو رہی ہیں، جن کا مستقبل تنخواہ کی کمی اور برخواستگی ہے، جن کی زندگی نہ ختم ہونے والا کام ہے اور جن کا آرام محض قبر ہے۔ ایک سو ہزار چھوٹے کاشت کار جو اُس زمین پر زندہ رہتے ہیں اور اُسی

پر مر جاتے ہیں جو اُن کی اپنی نہیں، وہ اس زمین پر اس غمگینی سے دیکھتے ہیں جس سے حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے ارضِ موعود کو دیکھتا تھا۔ وہ کبھی بھی اُس کی ملکیت حاصل کیے بغیر مر جاتے ہیں جنھیں فیوڈل سرفوں کی طرح زمین کی اُن کی ٹکڑی کے استعمال کے لیے ادائیگی یوں کرنا پڑتی ہے کہ اس کی پیداوار کے ایک حصے سے دست برداری ہوتا ہے، جو اس سے پیار نہیں کر سکتے، اس میں بہتری نہیں لا سکتے، اسے خوب صورت نہیں بنا سکتے، نہ وہ اس پر ایک دیودار یا مالٹے کا درخت لگا سکتے ہیں، اس لیے کہ انھیں پتہ نہیں ہوتا کہ کب دیہی گارڈ کے ساتھ ایک تھانے دار انھیں اُس سے بے دخل کرنے آئے گا : تیس ہزار ٹیچرز اور پروفیسرز جو اس قدر مصمم اور وقف ہوتے ہیں اور مستقبل کی نسلوں کی بہتر قسمت کے لیے بہت ضروری ہوتے ہیں اور جن کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جاتا ہے اور بہت کم تن خواہ دی جاتی ہے۔ وہ بیس ہزار چھوٹے تاجر جو قرضوں میں دھنسے ہوئے ہیں، بحرانوں سے برباد ہیں اور یہ کہ وہ سب جولاٹچی اور ناجائز فائدہ اٹھانے والے اہلکاروں کے لیے تنگ کرنے سے پُر جوش تقریر ہیں۔ وہ دس ہزار نوجوان پروفیشنل لوگ : ڈاکٹرز ، انجینئر، لائیرز، وٹر یزنیز، سکول ٹیچرز، ڈینٹسٹس ، فارماسسٹ ، اخبار والے، پینٹرز، مجسمہ ساز وغیرہ جو سکول ختم کر کے اپنی ڈگریوں کے ساتھ کام کرنے کو بے قرار ہیں اور امید سے بھرے ہیں۔مگر خود کو ایک بند گلی میں پاتے ہیں۔ان پہ سب دروازے بند ہوتے ہیں، اور ان کی فریاد اور التجا سننے کے لیے کوئی کان نہیں ہوتے۔ یہ ہیں وہ عوام جو بدقسمتی کو جانتے ہیں اور لہٰذا، بے انت جرأت کے ساتھ لڑنے کی اہلیت رکھتے ہیں! ان لوگوں کو جن کی زندگی میں سے گزرتی ناامید سڑکیں دغا اور جھوٹے دعووں کی اینٹوں سے بنائی گئیں، ہم ان لوگوں سے یہ نہیں کہتے کہ: ”ہم تمھیں دیں گے۔۔۔“ بلکہ : ”یہ ہے۔اب اس کے لیے جو کچھ ہتھیار تمہارے پاس ہے اُس سے لڑو، تا کہ آزادی اور خوشی تمہاری ہو سکے“۔

جونھی مونکیڈا ابیرکس پر قبضہ ہو جاتا تو فوری طور پر پانچ انقلابی قوانین نافذ کیے جاتے اور انھیں قوم کے لیے ریڈیو پر نشر کرنا لازم تھا۔ممکن ہے کرنل شاویانو نے ان مسودات کو جان بوجھ کر ضائع کر دیا ہو،لیکن اگر اس نے ایسا کیا بھی تو بھی وہ مجھے زبانی یاد ہیں۔

انقلابی حکومت نے پہلے اقتدار واپس عوام کو دینا تھا اور اُس وقت تک 1940ء کا آئین ریاست کا اعلیٰ قانون ہونا تھا جب تک کہ عوام اُسے بہتر بنانے یا تبدیل کرنے کا فیصلہ کرتے۔ اور اُس کے اطلاق کو یقینی بناتا تھا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینا تھا۔۔۔ وہاں اس پر عمل درآمد کرنے کے لیے کوئی انتخابی تنظیم نہ تھی۔۔۔ انقلابی تحریک، جو بحیثیت اِس اقتدار کے زندہ نمونہ کے جائز اقتدار کا واحد سرچشمہ تھی، اُس نے اُس میں موجود سارے شعبوں کو سنبھالنا تھا، ماسوائے خود آئین کے تبدیل کرنے کے۔ دوسرے لفظوں میں اس نے مقننہ، انتظامی اور جوڈیشل اختیارات سنبھالنے تھے۔

یہ رویہ اس سے زیادہ صاف نہ ہوسکتا تھا۔ نہ ششش و پنج اور بنجر نیم دلی سے مزید آزاد ہو سکتا تھا۔ باغی عوام الناس کی اعلان کردہ حکومت کے پاس ہر طرح کا پاور موجود ہونا تھا، مقبول ارادے اور حقیقی انصاف کے مؤثر اطلاق کے ساتھ آگے بڑھنے کے لیے ضروری ہر چیز موجود ہونا تھی۔ اُس لمحے سے جوڈیشل اختیار (جس نے کہ خود کو دس مارچ سے آئین سے باہر اور اس سے خلاف رکھا ہوا تھا) کا وجود ختم ہونا تھا اور ہم اس کی فوری اور مکمل اصلاح کے لیے بڑھتے۔ ان سابقہ اقدامات کے بغیر جائزیت کو اس کی واپسی حوالگی دوبارہ اُن ہاتھوں میں دے کر جنھوں نے نظام کو اس قدر بے وقار انداز میں مفلوج کر دیا تھا ایک فراڈ، ایک دھوکہ اور ایک اور غداری ہوتی۔

دوسرا انقلابی قانون زمین کی ناقابلِ انتظام کاری اور ناقابلِ انتقال ملکیت کو سارے پٹے دار کے بھی پٹے دار، اور پٹے دار کاشت کاروں، کرایہ داروں، دھرنا دے کر بیٹھنے والوں، حصے دار کاشت کاروں کو دینا تھا جن کے پاس پانچ caballerias یا اس سے کم زمین ہو۔ ریاست نے سابقہ مالکوں کو کرایہ کی بنیاد پر نقصان کی تلافی کرنا تھا جو کہ وہ اِن تقسیموں کے لیے دس سال کے عرصے تک وصول کرتے۔

تیسرے انقلابی قانون نے مزدوروں اور ملازموں کو سارے وسیع صنعتی، مرکنٹائل اور معدنی کاروباری منصوبوں (بشمول شوگر ملوں کے)، کے منافع کے 30 فیصد شیئر کے حقوق

دینے تھے۔ دیگر زرعی قوانین جو کہ بروئے کارلائے جانے تھے، کے پیش نظر سختی کے ساتھ زرعی کاروباری منصوبوں کو استثنا ہونی تھی۔

چوتھے انقلابی قانون نے سارے گنے کے کاشت کاروں کو شوگر کی پیداوار کا 55 فیصد شیئر اور اُن سارے چھوٹے کرائے پر کاشت کاروں کو جو کہ تین سال یا اس سے زیادہ سے قائم کیے گئے ہیں، 40 ہزار پاؤنڈ کے کم از کم کوٹے کے حقوق دینے تھے۔

پانچویں انقلابی قانون نے اُن لوگوں سے سارا مال اور ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ اناج ضبط کرنا تھا جنھوں نے سابقہ رجیموں کے دوران فراڈ کیے تھے۔ نیز اُن کے سارے ترکے داروں اور وراثت خوروں کے مال اور ناجائز حاصل کردہ اناج بھی۔ اُس کے لاگو کرنے کے لیے مکمل اختیارات کے ساتھ اسپیشل عدالتوں نے اُن سارے کارپوریشنوں کے ریکارڈ تک رسائی رکھنا تھی جو اس ملک میں رجسٹرڈ ہیں یا کام کرتے ہیں، تاکہ وہ غیر قانونی ذرائع سے چھپائے ہوئے فنڈز کی تحقیق کرسکیں، اور یہ درخواست کرسکیں کہ خارجی حکومتیں اُن کے مجرموں کو اور اُن کے پاس دولت کو ہمارے حوالے کریں جو کہ جائز طور پر کیوبائی عوام کے ہیں۔ حاصل کردہ جائیداد کا نصف حصہ مزدوروں کے لیے ریٹائرمنٹ فنڈز کو سبسڈائز کرنے پر استعمال ہوگا اور دوسرا نصف ہسپتالوں، غریب خانوں اور خیراتی تنظیموں کے لیے استعمال ہوگا۔

مزید برآں، یہ اعلان ہونا تھا کہ امریکی براعظم میں کیوبا کی پالیسی اس براعظم کے جمہوری عواموں کے ساتھ قریبی یک جہتی کی ہوگی۔ ہماری برادر اقوام کے اُن سارے لوگوں کو جنھیں خونی آمریتوں نے سیاسی طور پر ایذائیں دیں، مارٹی کی سرزمین پر سخی پناہ ملے گی، بھائی چارہ ملے گا اور روٹی ملے گی۔ کیوبا کو لبرٹی کی چاردیواری ہونا چاہیے نہ کہ ناامیدی کی زنجیر کی ایک شرم ناک کڑی۔

ان قوانین کا اعلان فوری طور پر ہونا تھا، جونھی ابھار ختم ہوجاتا اور ایک مفصل اور دُوررس مطالعہ سے پہلے۔ اُن کے بعد قوانین کا ایک اور سلسلہ اور بنیادی اقدامات آنے تھے جیسے کہ زرعی اصلاحات، پیوستہ تعلیمی اصلاحات، الیکٹرک پاور ٹرسٹ اور ٹیلیفون ٹرسٹ کی نیشنلائزیشن

۔ان کمپنیوں نے عوام پہ جو غیر قانونی اور جابرانہ ریٹس لگا رکھے تھے اُن پیسوں کی عوام کو واپسی اور ماضی میں بے حیائی سے نہ دیے گئے سارے ٹیکسوں کی خزانے کو ادائیگی۔

یہ سارے قوانین اور ہمارے آئین کے دو دیگر لازمی آرٹیکلز کی ٹھیک ٹھیک تعمیل ہونی تھی :ان میں سے ایک آرٹیکل وسیع جاگیروں کو خلافِ قانون قرار دینے کا حکم دیتا ہے۔اس میں واضح موجود ہے کہ ایک شخص زراعتی منصوبے کی ہر صورت کے لیے زیادہ سے زیادہ کتنی زمین رکھ سکتا ہے، یہ زائد زمین کیو بائیوں کو واپس کرنی ہے۔ دوسرا آرٹیکل ریاست کو صاف صاف حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے سارے وسائل بے روزگاروں کو روزگار دینے، اور ہر جسمانی یا ذہنی مزدور کے لیے ایک شائستہ گزر بسر کو یقینی بنانے کے لیے استعمال کرے۔ان میں سے کسی قانون کو غیر آئینی نہیں کہا جا سکتا۔پہلی مقبولیت سے منتخبہ حکومت کو انھیں عزت دینا تھا، نہ صرف قوم کو اخلاقی ذمہ داری کی وجہ سے بلکہ اس لیے بھی کہ جب عوام کوئی ایسی چیز حاصل کرتے ہیں جس کے لیے انھوں نے کئی نسلوں سے آرزو کیا ہو، تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے واپس لینے کی اہلیت نہیں رکھتی۔

زمین کا مسئلہ صنعت کاری کا مسئلہ، مکان کا مسئلہ، بے روزگاری کا مسئلہ، تعلیم کا مسئلہ، اور عوامی صحت کا مسئلہ :یہ چھ ایسے مسائل ہیں جن کو حل کرنے کے لیے ہم فوری اقدامات کرتے، بشمول شہری آزادیوں اور سیاسی جمہوریت کی بحالی کے۔

اگر کوئی شخص ملک کے اندر اِن چھ مسائل اور اُن کے ساتھ ہتک آمیز سیاسی استبداد کے بارے میں صدمہ ناک اور الم ناک حالات سے ناواقف ہو تو یہ تفصیل سرد مہر اور تھیوریٹیکل لگے گی۔

کیو با میں پچاسی فیصد کاشت کار کرایہ دیتے ہیں اور ہر وقت اُس زمین سے مسلسل بے دخل ہونے کے خطرے میں زندگی گزارتے ہیں جسے وہ کاشت کرتے ہیں۔ ہماری سب سے زیادہ زرخیز زمین کا نصف، غیر ملکیوں کے ہاتھ میں ہے۔اور اَوریانٹے جو کہ سب سے وسیع صوبہ ہے اُس کے شمالی اور جنوبی ساحلوں تک پورا علاقہ خارجی ملک کی یونائیٹڈ فروٹ کمپنی اور ویسٹ انڈین کمپنی کے پاس ہے۔ دو سو ہزار کسان خاندان ایسے ہیں جن کے پاس ایک ایکڑ بھی نہیں

جسے وہ کاشت کر کے اپنے فاقہ زدہ بچوں کو خوراک دے سکیں۔ دوسری طرف طاقت ور لوگوں کے پاس تین سو ہزار ایکڑ قابلِ کاشت اراضی ہے جو ویسے ہی بغیر کاشت کے پڑی ہے۔ اگر کیوبا ایک زرعی ملک ہے، اگر اس کی زیادہ تر آبادی دیہات میں رہتی ہے، اگر شہر اِن دیہاتی علاقوں پر انحصار کرتا ہے، اگر دیہات کے عوام نے ہماری آزادی کی جنگ لڑی اور جیتی ہے، اگر ہماری قوم کی عظمت اور خوش حالی اُس صحت منداور محنتی دیہی آبادی پر انحصار کرتی ہے جو کہ زمین سے محبت کرتی ہے اور اُس پر کام کرنا جانتی ہے اور اگر یہ آبادی ایک ایسی ریاست پر انحصار کرتی ہے جو اس کی حفاظت اور راہنمائی کرتی ہے تو پھر موجودہ صورت حال برقرار رہنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے؟

چند فوڈ، چوب تراشی اور ٹکسٹائل صنعتوں کے ماسوا کیوبا ابھی تک بنیادی طور پر ایک خام مال پیدا کرنے والا ملک ہے۔ ہم چینی مصری درآمد کرنے کے لیے برآمد کرتے ہیں، ہم کھالیں جوتے درآمد کرنے کے لیے برآمد کرتے ہیں، ہم لوہا ہَل درآمد کرنے کے لیے برآمد کرتے ہیں... ہر شخص قوم کو صنعتی بنانے کی فوری ضرورت سے متفق ہے۔ ہر شخص متفق ہے کہ ہمیں فولاد کی صنعتوں کی ضرورت ہے، کاغذ اور کیمیکل صنعتوں کی ضرورت ہے کہ ہمیں اپنے مویشی اور اناج کی پیداوار کو بہتر کرنا ہے، ہماری فوڈ انڈسٹری میں ٹکنالوجی اور پراسسنگ کو بہتر بنانا چاہیے تا کہ پنیر پیداوار، خشک دودھ، شراب اور خوردنی تیل میں یورپ اور ریاست ہائے متحدہ سے ڈبہ بند اشیا کے تباہ کن مقابلے کا سامنا کر سکیں، یہ کہ ہمیں کارگو بحری جہازوں کی ضرورت ہے: یہ کہ ٹورزم ہماری قومی آمدن کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہو۔ مگر سرمایہ دار اصرار کرتے ہیں کہ مزدور جوئے کے نیچے ہی رہیں، ریاست ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھی رہے اور صنعت کاری ہمیشہ کے لیے انتظار کرے۔

ہاؤسنگ کا مسئلہ اس سے بھی بدتر ہے۔ کیوبا میں دو سو ہزار جھگیاں اور جھونپڑیاں ہیں، دیہات میں اور شہروں میں چار سو ہزار خاندان جھگی اور مقبوضہ جائیداد میں مڑے تڑے ہوئے اور ٹھونسے ہوئے رہتے ہیں جن کے پاس کم سے کم ٹائلٹ تک کی ضروریات بھی نہیں ہیں۔ دو ملین

دوسوہزار کی ہماری شہری آبادی کرایہ دیتی ہے جس میں اُن کی آمدنیوں کا 1/5 سے لے کر 1/3 تک حصہ چلا جاتا ہے۔ ہماری دیہی اور نیم شہری آبادی کے دوملین آٹھ سوہزار لوگ بجلی سے محروم ہیں، یہاں بھی ہماری وہی حالت ہے: اگر ریاست کرایوں میں کمی کی تجویز کرتی ہے تو لینڈ لارڈز ساری تعمیر کو منجمد کرنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ اگر ریاست مداخلت نہیں کرتی، تو تعمیر اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک کہ لینڈ لارڈز بلند کرائے حاصل کرتے رہیں: ورنہ وہ ایک بھی اینٹ نہیں رکھتے خواہ بقیہ آبادی کو مکمل طور پر عناصر کے حوالے ہونا ہو۔ یوٹیلیٹیز کی اجارہ داری بھی بہتر حالت میں نہیں ہے: وہ اس وقت تک لائنیں پھیلاتے رہتے ہیں جب تک کہ یہ منافع بخش ہے اور اُس نکتے کے بعد وہ پرواہ نہیں کرتے کہ عوام کو اپنی بقیہ زندگی اندھیروں میں گزارنی پڑے۔ ریاست ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی ہوتی ہے اور عوام کے پاس نہ گھر ہیں نہ بجلی۔

ہمارا تعلیمی نظام اُن تمام چیزوں سے مکمل ہم آہنگ ہے جن کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے۔ جہاں کسان کے پاس زمین نہ ہو تو وہاں زرعی سکولوں کی کیا ضرورت ہوگی؟ جہاں صنعت نہ ہو تو وہاں ٹیکنیکل یا ووکیشنل سکولوں کی کیا ضرورت ہوگی؟ ہر چیز کے پیچھے یہی مضحکہ خیز دلیل ہوتی ہے۔ اگر ہمارے پاس ایک چیز نہیں ہے تو دوسری بھی نہیں ہوسکتی۔ کسی بھی چھوٹے یورپی ملک میں 200 سے زیادہ ٹیکنیکل اور ووکیشنل سکول ہیں، کیوبا میں ایسے صرف چھ سکول ہیں اور اُن سے پڑھے ہوؤں کے پاس اُن کی مہارت کے لیے کوئی روزگار موجود نہیں ہے۔ چھوٹے دیہی سکولوں میں سکولی عمر کے محض نصف بچے ننگے پیر، نیم برہنہ اور کم خوراک ہوتے ہیں، اور اکثر ٹیچروں کو اپنی تنخواہ سے ضروری سکول سامان خریدنا پڑتا ہے۔ کیا ایک قوم کو عظیم بنانے کے یہ طریقے ہوتے ہیں؟

صرف موت ہی اس قدر اذیت سے آزادی دلاسکتی ہے۔ ہاں، موت کے سلسلے میں، البتہ ریاست بہت مددگار رہی ہے۔ وہ عوام کو جلد موت مہیا کرتی ہے۔ دیہات میں نوے فیصد بچوں کو پیراسائٹ کھا جاتے ہیں جو ننگے پیر چلنے کی وجہ سے زمین سے انہیں لگ جاتے ہیں۔ سماج جب ایک بچے کے اغوا یا قتل کا سنتا ہے تو رحم دلی میں ہل کر رہ جاتا ہے مگر وہ ہزاروں بچوں

کے قتلِ عام پہ لاتعلق رہتا ہے جو کہ ہر سال سہولتوں کی کمی کی وجہ سے درد سے بلبلا کر مر جاتے ہیں۔ اُن کی معصوم آنکھیں، جن میں موت پہلے ہی چمک رہی ہوتی ہے، ایک دھندلے انجام کو دیکھتے نظر آتی ہیں جیسے انسانی خودغرضی کے لیے معافی کی درخواست کر رہے ہوں، جیسے خدا سے اُس کے قہر کو روکنے کا کہہ رہے ہوں۔ اور جب خاندان کا سربراہ سال میں محض چار ماہ کام کرے، تو وہ کس چیز سے اپنے بچوں کے لیے کپڑے اور دوائیاں خریدے گا؟ وہ بچے تو سوکھے کی بیماری میں بڑے ہوں گے اور جب تک 30 سال کی عمر کو پہنچیں گے تو اُن کا ایک دانت بھی اچھی حالت میں نہ ہوگا؛ انھوں نے دس ملین تقریریں سنی ہوں گی اور وہ آخر میں دُکھ اور دھوکے میں مر جائیں گے۔ سرکاری ہسپتال جو ہمیشہ بھرے ہوتے ہیں، صرف اُن مریضوں کو قبول کرتے ہیں جن کی سفارش کسی طاقت ور سیاست دان نے کی ہوتی ہے۔ وہ سیاست دان بدلے میں اُس بد قسمت انسان اور اُس کے خاندان سے ووٹوں کا مطالبہ کرتا ہے تا کہ کیوبا ہمیشہ کے لیے اُسی یا اس سے بھی بدتر حالت میں رہے۔

اس پس منظر کے ساتھ یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ مئی سے دسمبر تک ایک ملین سے زائد افراد بے روزگار رہتے ہیں، اور یہ کہ کیوبا میں جس کی آبادی ساڑھے پانچ ملین ہے، فرانس اور اٹلی سے زیادہ بے روزگار ہیں جن میں سے ہر ایک کی آبادی چالیس ملین ہے۔

معزز جج صاحبان! جب آپ ڈاکہ مارنے کی واردات میں ایک مدعا علیہ کا مقدمہ سنتے ہیں تو کیا آپ اُس سے یہ پوچھتے ہیں کہ وہ کتنے عرصے سے بے روزگار ہے؟ کیا آپ اُس سے پوچھتے ہیں کہ اُس کے کتنے بچے ہیں؟ ہفتے کے کن دنوں میں اُس نے کھانا کھایا؟ اور کن دنوں میں نہیں؟ کیا آپ اُس کے سماجی پس منظر کے بارے میں کبھی پوچھ گچھ کرتے ہیں؟ آپ تو مزید سوچے بغیر اُس کو جیل بھیجتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جو انشورنس حاصل کرنے کے لیے گوداموں اور سٹوروں کو آگ لگاتے ہیں جیل نہیں جاتے، حالاں کہ چند انسان ان شعلوں میں جل چکے ہوں گے۔ انشورنس شدہ کے پاس وکیل کرایہ کرنے اور جج رشوت کرنے کے لیے پیسہ ہے۔ آپ غریب و مفلس کو قید کرتے ہیں جو اِس لیے چوری کرتا ہے کہ وہ بھوکا ہے، مگر اُن سیکڑوں میں سے

ایک شخص بھی ایک رات بھی جیل میں نہیں گزارتا جو حکومت سے ملینوں کی چوری کرتے ہیں۔آپ سال کے آخر میں کسی عظیم الشان کلب میں اُن کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں اور وہ آپ کی طرف سے عزت کیے جانے کا لطف لیتے ہیں۔ کیوبا میں جب ایک سرکاری اہلکار راتوں رات لکھ پتی بن جاتا ہے اور امیروں کی برادری میں داخل ہوجاتا ہے، تو بالزاک کے اُس دولت مند کردار ٹیلیفر کے الفاظ سے اُس کا استقبال ہوجاتا ہے جس نے ایک بہت بڑی دولت کے کم سن وارث کو اپنی دعوت میں جام تجویز کرتے ہوئے کہا : ''حضرات! آئیے ہم سونے کی قوت کا جام پی لیں! مسٹر ویلنٹائن، چھ گنا زیادہ کروڑ پتی ابھی ابھی تخت پر چڑھا ہے۔ وہ بادشاہ ہے، جو سارے امیروں کی طرح سب کچھ کرسکتا ہے۔سب سے بالاتر ہے۔اب کے بعد آئین کی رو سے قانون کے آگے برابری اُس کے لیے ایک فرضی داستان ہوگی؛اس لیے کہ وہ قوانین کا رعایا نہ ہوگا بلکہ قوانین اُس کی رعایا ہوں گے۔ کروڑ پتیوں کے لیے کوئی عدالتیں نہیں ہوتیں، نہ اُن کے لیے سزائیں ہوتی ہیں''۔

قوم کا مستقبل، اور اُس کے مسائل کا حل درجن بھر بڑے بزنس مینوں کے خودغرضانہ مفادات پر انحصار نہیں کرسکتا، نہ منافعوں کے سرد حساب کتابوں پر جو دس یا بارہ بہت بڑے آدمی اپنے ایئر کنڈیشن دفتروں میں بیٹھ کر بنا کرتے ہیں۔ مسیحی مذہب میں رسول کے غصے سے برباد ہونے والے موقع کی طرح ملک چند سنہرے بچھڑوں سے معجزوں کے لیے گھٹنوں کے بل جھک کر بھیک مانگنا جاری نہیں رکھ سکتا۔سنہرے بچھڑے کسی طرح کے معجزے نہیں کرسکتے۔ ریپبلک کے مسائل صرف اُس وقت حل ہوسکتے ہیں جب ہم خود کو اُس کے لیے اسی توانائی، دیانت اور حب الوطنی کے ساتھ لڑنے پر وقف کردیں جو ہمیں آزادی دلانے والوں کے پاس تھی جب انھوں نے اِس کی بنیاد رکھی تھی۔ کارلوس سلادری گاس جیسے مدبر جن کا تدبر'' سٹیٹس'' کو قائم رکھنے پر مشتمل ہے اور'' کاروبار کی مطلق آزادی،''انوسٹمنٹ سرمائے کی ضمانتوں'' اور''سپلائی اینڈ ڈیمانڈ کا قانون'' جیسے لفاظی بھرے جملے ان مسائل کو حل نہیں کرسکتے۔ وہ وزرا کسی ففتھ ایونیو محل میں اس وقت تک گفت گو کرسکتے ہیں جب تک کہ حتیٰ کہ جن لوگوں کے مسائل فوری حل چاہتے ہیں، اُن

کی ہڈیوں کی گرد تک نہ رہے گی۔

ایک انقلابی حکومت جس کی پشت پناہی عوام کرتے ہوں اور جس کی عزت قوم کرتی ہو، سارے ضمیر فروش اور کرپٹ اہلکاروں کے مختلف اداروں کو صاف کرنے کے بعد فوری طور پر ملک کو صنعتی بنانے کو بڑھے گی، سارے غیر متحرک سرمائے کو نیشنل بنک، زرعی بنک اور صنعتی ترقیاتی بنک کے ذریعے حرکت میں لائے گی جس کا موجودہ تخمینہ 1.5 بلین پیسو بنتا ہے۔ اور اس عظیم الجثہ فریضہ کو اُن ماہرین اور حتمی قابل لوگوں کو سونپے گی جنھیں مطالعہ، ڈائرکشن، پلاننگ اور آگہی کے لیے ساری سیاسی مشینوں سے الگ کیا گیا ہوگا۔

ایک سو ہزار چھوٹے کاشت کاروں کو اُس زمین کا مالک بنا کر جس پر وہ پہلے کرائے پر کاشت کرتے تھے، ایک انقلابی حکومت فوری طور پر زمین کے مسئلے کو حل کرنے کی طرف بڑھے گی۔ اول، جس طرح کہ آئین میں موجود ہے، وہ حکومت زرعی شعبہ کی ہر قسم میں زمین کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کرتی۔ اور جائیداد سے بے دخلی، دلدلی زمین کی بحالی، وسیع نرسریاں اگا کر، اور دوبارہ جنگل لگانے کے لیے محفوظ علاقے بنا کر قابلِ کاشت اراضی کے رقبے میں اضافہ حاصل کرتی۔ دوم، وہ حکومت یہ زمین کسان خاندانوں میں تقسیم کرتی جہاں وسیع خاندانوں کو ترجیح دیتی، اور فارمنگ اور مویشی پالی کے مہنگے ساز وسامان، جما دینے والے پلانٹس اور متحدہ پیشہ ورانہ ٹیکنیکل کے مشترکہ کمیونل استعمال کے لیے زرعی کوآپریٹیوز کو فروغ دیتی۔ آخر میں یہ کسانوں کو وسائل، ساز وسامان، حفاظت اور مفید راہ نمائی مہیا کرتی۔

ایک انقلابی حکومت ہاؤسنگ مسئلے کو سارے کرایوں کو نصف کر کے، مالکوں کی طرف سے رہنے والے گھروں کو ٹیکس چھوٹ دے کر، کرائے کے گھروں پر ٹیکسوں کو تین گنا کر کے، جھونپڑیوں کو گرا کر انھیں جدید اپارٹمنٹ عمارتوں میں بدل کر اور پورے جزیرے میں ہاؤسنگ کو اب تک شنید میں نہ آئے ہوئے پیمانے پر، اس معیار پر کہ جس طرح دیہی خاندان کے پاس زمین کا اپنا قطعہ ہونا چاہیے اسی طرح ہر شہری خاندان کے پاس اپنا گھر یا اپارٹمنٹ ہونا چاہیے، مالی مدد کر کے حل کرتی۔ ہر کیوبائی کے لیے ایک شائستہ گھر بنانے کے لیے عمارتی سامان بہت ہے

اور ضرورت سے زیادہ افرادی قوت موجود ہے۔ مگر اگر ہم سنہرے بچھڑے کا انتظار کرتے رہیں گے تو ہزار برس گزر جائیں گے اور مسئلہ وہیں کا وہیں رہے گا۔ دوسری طرف آج جزیرے کے دور دراز علاقوں تک بجلی لے جانے کے امکانات ہر زمانے سے زیادہ ہیں۔ اس شعبے میں نیوکلیئر توانائی کا استعمال اب ایک حقیقت ہے اور یہ بجلی پیدا کرنے کی لاگت بہت کم کر دے گی۔

ان تین پراجیکٹوں اور اصلاحات سے بے روزگاری کا مسئلہ خود بہ خود ختم ہو جائے گا اور پبلک ہیلتھ میں بہتری اور بیماری کے خلاف جنگ بہت کم مشکل ہو جائیں گے۔

آخر میں، ایک انقلابی حکومت تعلیمی نظام کی مربوط اصلاح شروع کرے گی، اسے ابھی ذکر کردہ پروجیکٹ کے مطابق بنائے گی۔ مقصد یہ کہ اُن نسلوں کو تعلیم دینا ہے جنھیں ایک خوش حال تر سرزمین میں رہنا نصیب ہوگا۔

''دانا'' کے یہ الفاظ نہ بھولیے: ''لاطینی امریکا میں ایک سنگین غلطی کی جا رہی ہے: اُن مما لک میں جن کا گزارہ تقریباً مکمل طور پر زمین کی پیداوار پر ہے، لوگوں کو مکمل طور پر شہری زندگی کی تعلیم دی جاری ہے اور انھیں کاشت کی زندگانی کی تربیت نہیں دی جا رہی۔ خوش حال ترین ملک وہ ہے جس نے اپنے بیٹوں کو، خیال کے اصلاح اور اُن کے احساسات کی سمت، دونوں میں تعلیم دی ہے۔

تعلیم کی روح بہر حال، ٹیچر ہے۔ اور کیوبا میں ٹیچنگ کا پیشہ بہت کم اجرت والا ہے۔ اس کے باوجود کیوبا کے ٹیچر سے زیادہ کوئی اور وقف شدہ اور کمیٹڈ انسان نہیں ہے۔ ہم میں سے کس نے چھوٹے سرکاری سکول ہاؤس میں اپنے الف بے نہیں پڑھے ہیں؟ یہ وہ وقت ہے جب ہم نے اُن نوجوان مردوں عورتوں کو حقیر گزارہ جتنا بھی دینا بند کر دیا ہے جو ہمارے نوجوانوں کو تعلیم دینے کے پاکیزہ فریضہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ کسی استاد کو 200 ''پیسو'' سے کم نہیں کمانا چاہیے، کسی سیکنڈری ٹیچر کو ''350'' پیسو سے کم نہیں ملنے چاہئیں، اگر انھیں ضرورت میں دُکھ کے بغیر مکمل طور پر خود کو اپنے بلند پیشے پہ وقف کرنا ہے۔ مزید برآں، سارے دیہی ٹیچرز کو ٹرانسپورٹ کے مختلف نظاموں کے مفت استعمال کی سہولت ہو۔ اور، ہر پانچ سال بعد کم از کم ایک بار سارے ٹیچروں کو

تن خواہ کے ساتھ چھ ماہ کی چھٹیاں حاصل ہوں تا کہ وہ اپنے شعبے میں جدید ترین ترقیوں سے خود کو ہم قدم کرنے گھر میں یا باہر خصوصی ریفریشر کورس کر سکیں۔ اس طرح نصاب اور ٹیچنگ سسٹم آسانی سے بہتر ہو سکتے ہیں۔ اس سب کے لیے پیسہ کہاں سے آئے گا؟ جب حکومتی فنڈز میں خرد برد ختم ہو جائے گی، جب سرکاری اہلکار اُن بڑی کمپنیوں سے ساز باز کرنا بند کر دیں جن کے ذمہ ریاست کے ٹیکس ہیں، جب ملک کے بے انتہا وسائل کا بھرپور استعمال ہو، جب ہم اس ملک کے لیے مزید ٹینک، بمبار اور توپ نہ خریدیں گے (جس کی حفاظت کرنے کوئی سرحدیں نہیں ہیں اور جہاں جنگ کے ان اوزاروں کو، جو اب خریدے جا رہے ہیں عوام کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے)، جب لوگوں کو قتل کرنے سے زیادہ انھیں تعلیم دینے میں دلچسپی ہو تو ضرورت سے زیادہ پیسہ موجود ہو گا۔

کیوبا آج کی اپنی آبادی سے تین گنا بڑی آبادی کو آسانی سے پال سکے گا۔ اس لیے اس کے موجودہ باشندوں کے ایک فرد کی پست غربت کے لیے کوئی بہانہ موجود نہیں ہے۔ مارکیٹوں کو اشیا سے لب ریز ہونا چاہیے، خزانہ کو بھرا ہونا چاہیے، سارے ہاتھوں کو کام میں ہونا چاہیے۔ یہ کوئی ناقابلِ تصور خیال نہیں ہے۔ جو بات ناقابلِ تصور ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو اُس وقت بھوکا سونا پڑے جب کہ ایک انچ بھی غیر پیداواری زمین موجود ہو، یا، بچے طبی توجہ کی کمی کے سبب مر جائیں۔ جو بات ناقابلِ تصور ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے 30 فیصد کاشت کاروں کو اپنا نام لکھنا نہیں آتا، اُن کے 99 فیصد کو کیوبا کی تاریخ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ جو بات ناقابلِ تصور ہے وہ یہ ہے کہ ہماری دیہی آبادی کی اکثریت اُس حالت سے بھی بدتر ہے جب انڈینز کو کولمبس نے عمدہ ترین سرزمین میں دریافت کیا تھا جو بنی نوعِ انسان نے کبھی دیکھا تھا۔ جو لوگ مجھے خواب دیکھنے والا کہتے ہیں، میں اُن کے لیے مارٹی کے جملے دہراتا ہوں: ''ایک سچا آدمی وہ راستہ تلاش نہیں کرتا جہاں فائدہ رکھا ہو بلکہ وہ وہ راستہ اختیار کرے گا جہاں فرض موجود ہو۔ اور صرف وہی عملی آدمی ہے، جس کا آج کا خواب کل کا قانون بن جائے گا اس لیے کہ جس نے پیچھے تاریخ کے لازمی بہاؤ پر دیکھا اور زمانوں کے دیگ میں جلتے اور خون بہاتے لوگوں کے جوش اور

عصہ دیکھے، وہ جانتا ہے کہ ایک بھی استثنا کے بغیر مستقبل فرض کی طرف ہوگا''۔

جس وقت ہم سمجھ جائیں گے کہ اس طرح کے ایک بلند خیال نے انھیں انسپائر کیا تو ہم اُن نوجوانوں کے ہیروازم کا تصور کرسکیں گے جو سنتیا گو میں گرے (مرے)۔ ہمارے پاس موجود کم سامان نے یقینی کامیابی کو روکا۔ جب سپاہیوں کو بتایا گیا کہ پرآیو نے ہمیں ایک ملین'' پیسو'' دیے ہیں، انھیں رجیم کی سب سے اہم حقیقت کو توڑنے مروڑنے کی کوشش میں بتایا گیا: یہ حقیقت کہ ہماری تحریک کا ماضی کے سیاست دانوں سے کوئی تعلق نہ تھا: یہ کہ یہ تحریک ایک نئی کیوبائی نسل ہے مع اس کے نئے تصورات کے، استبداد کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا، یہ کہ یہ تحریک نوجوان لوگوں سے بنی ہے جو اُس وقت محض سات سال کے تھے جب بتستا نے 1934ء میں اپنے جرائم کا پہلا ارتکاب کیا۔ ملین ''پیسوؤں'' کا جھوٹ اس سے زیادہ بے ہودہ نہیں ہوسکتا تھا۔ اگر ہم نے 20 ہزار سے بھی کم پیسوؤں پہ 165 افراد کو مسلح کیا اور ایک رجمنٹ اور ایک سکواڈرن پر حملہ کیا تو ایک ملین پیسوؤں سے ہم 8000 افراد کو مسلح کرسکتے تھے تاکہ وہ 50 رجمنٹوں اور 50 سکواڈرنوں پر حملہ کریں۔ اور ہفتہ 26 جولائی کو صبح 5:15 بجے اُگالڈے کیریلو نے یہ دیکھنا تھا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہر وہ شخص جو کہ لڑا تھا' اسلحہ کی کمی کی وجہ سے 20 اچھے تربیت یافتہ لڑنے سے قاصر تھے۔ جب اُن سے نوجوان لوگوں نے مارٹی کے سو سالہ کے سٹوڈنٹس جلوس میں ہوانا کی گلیوں میں مارچ کیا تھا تو انھوں نے ٹھوس انداز میں چھ بلاکوں کو پیک کیا تھا۔ اگر محض 200 مزید آدمی لڑنے کے قابل ہوتے، اور' یا ہمارے پاس بیس مزید ہینڈ گرنیڈ ہوتے تو شاید یہ معزز عدالت اس زحمت سے بچ جاتی۔

سیاست دان ضمیروں کو خریدنے کے لیے ملینوں خرچ کرتے ہیں، جب کہ مٹھی بھر کیوبائی جو اپنے ملک کا وقار بچانا چاہتے تھے، کو فنڈ کی کمی کی وجہ سے نہتے ہاتھوں موت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح آج دن تک ملک کو سخی اور وقف لوگوں سے نہیں بلکہ ہماری پبلک زندگی کے تلچھٹ یعنی سیاسی بھتہ خوروں سے چلایا جاتا رہا ہے۔ میں آپ کو عظیم ترین فخر سے بتاتا ہوں کہ اپنے اصولوں کی مطابقت میں ہم نے گزشتہ یا موجودہ کسی بھی سیاست دان سے ایک

پیسہ تک نہیں مانگا۔ ہمارے وسائل لاثانی قربانی سے جمع ہوئے۔ مثال کے طور پر اپلیڈیو سوسا، جس نے اپنی جاب فروخت کرلی اور وہ ایک دن ''کاز کے لیے'' 300 پیسوں کے ساتھ میرے پاس آیا۔ فرنانڈو چنارڈ نے اپنی فوٹو گرافی کا سامان بیچ دیا جس سے وہ اپنی دال روٹی کماتا تھا، پیڈرو ماریرو نے کئی ماہ کی تن خواہ چندہ میں دی اور جسے اپنے گھر کا فرنیچر فروخت کرنے سے ہم نے روک دیا۔ آسکر الکالڈے نے اپنی فارماسیوٹیکل لیبارٹری فروخت کردی، جوزی مونٹین نے اپنی پانچ سال کی بچت دے دی، اور اس طرح دوسرے کئی لوگوں کی مثال دی جاسکتی ہے جنھوں نے جو کچھ پاس تھا، دے دیا۔

ایسی چیز وہی کرتا ہے جس کا اپنے ملک پر گہرا ایمان ہو۔ آئیڈیلزم کے ان اقدامات کی یاد مجھے سیدھا اُس دفاع کے تلخ ترین بات تک لے آتی ہے... اُس قیمت پر جو جبر و استبداد نے کیوبا کو ظلم اور ناانصافی سے آزاد کرنے کی خواہش پہ اُن سے لے لی:

اے محبوب لاشو، تم جو
کبھی میرے مادرِ وطن کی اُمید تھے،
میری پیشانی پہ ڈال دو!
اپنی سڑتی ہوئی ہڈیوں کی گرد
اپنے ٹھنڈے ہاتھوں سے میرا دل چھولو!
میرے کانوں میں کراہ لو!
میرے نَوحوں میں سے ہر ایک
ایک اور آمر کے آنسوؤں میں بدل جائے گا!
میرے گرد جمع ہو جاؤ!
تا کہ میری روح تمہاری روحوں کو وصول کر سکے
اور مجھے مقبروں کی دہشت دے دو،
اس لیے کہ آنسو کافی نہیں ہیں

جب کوئی بے نام غلامی میں رہے

اگر آپ 27 نومبر 1871ء کے جرائم کو دس سے ضرب دیں تب ہی آپ اور یا نٹے کے صوبے میں 26، 27، 28 اور 29 جولائی 1953ء کے مکروہ اور دیوہیکل جرائم کو پہنچیں گے۔ یہ ابھی تک ہماری یاد میں تازہ ہیں، مگر کسی دن جب سال گزر چکے ہوں گے، جب قوم کا آسمان ایک بار پھر شفاف ہوگا، جب مزاج پُرسکون ہو چکے ہوں گے اور جب خوف ہماری روحوں کو مزید عذاب نہ دے گا، تب ہم اس کی سارے صدمہ ناک سمتوں میں اِس قتلِ عام کو بڑے پیمانے میں دیکھنا شروع کریں گے، اور مستقبل کی نسلیں اُس وقت دہشت محسوس کریں گی جب وہ مڑ کر بربریت کے ان اقدامات کو دیکھیں گی جن کی مثال ہماری تاریخ میں نہیں ملتی۔

مگر میں غصہ میں نہیں آنا چاہتا۔ مجھے ذہن میں شفافی اور اپنے بھاری دل میں سکون کی ضرورت ہے تا کہ حقائق کو جتنا ممکن ہو کسی بھی صورت میں انھیں ڈرامائی بنائے بغیر سادہ بیان کرسکوں بلکہ اُسی طرح بیان کرسکوں جس طرح کی وہ وقوع پذیر ہوئے۔ ایک کیوبائی ہوتے ہوئے میں اس بات پہ شرمندہ ہوں کہ سنگ دل لوگوں کو اس طرح کے ناقابلِ تصور جرائم کا ارتکاب کرنے دیا گیا، جن سے بقیہ دنیا کے سامنے ہماری قومی بے وقاری ہوئی۔

آمر بتستا کبھی بھی غور فکر کا آدمی نہ رہا۔ وہ اپنی قوم سے غضب ناک ترین دروغ گوئیاں کرنے سے کبھی نہ ہچکچایا۔ اپنے دس مارچ کے غدارانہ کو دتا کو جواز بخشنے کی خاطر اُس نے آرمی میں خیالی بغاوت کے بارے میں کہانیاں گھڑیں، جو فرضی طور پر اپریل میں وقوع پذیر ہونے کو شیڈول ہوئی تھی۔ اور جسے وہ ملتوی کرنا چاہتا تھا تا کہ ریپلک خون میں نہ ڈوب جائے۔ اس مضحکہ خیز کہانی پر کبھی کسی نے یقین نہ کیا۔ اور جب اُس نے ریپبلک کو خود خون میں ڈبونا چاہا، جب اس نے کیوبا کے نوجوانوں کی برحق بغاوت کو جو اُس کا غلام بننا نہیں چاہتے تھے، دہشت اور ٹارچر سے دبانا چاہا تھا، تو اس نے اور زیادہ بڑے جھوٹ گھڑے۔ ایک آدمی اُس قوم کے لیے کس قدر کم عزت رکھے گا جب وہ انھیں اس قدر اندوہ ناک طریقے سے دھوکہ دینے کی کوشش کرے! میری گرفتاری کے روز میں نے 26 جولائی کی ہماری مسلح تحریک کی اعلانیہ ذمہ داری

قبول کی تھی۔ اگر ہمارے لڑاکوؤں کے خلاف 27 جولائی کے ڈکٹیٹر کی تقریر میں کئی بیانات میں سے ایک کے اندر بھی رتی بھر سچ ہوتا تو یہ میرے کیس کے اخلاقی اثر میں کمی کے لیے کافی ہوتا۔ تو پھر کیوں مجھ پر مقدمہ قائم نہیں کیا گیا؟ کیوں میڈیکل سرٹیفکیٹس میں ردوبدل کیا گیا؟ انھوں نے سارے ضابطے والے قوانین کی کیوں خلاف ورزی کی اور عدالت کے رولنگز کو اس قدر اہانت آمیز طور پر کیوں نظر انداز کیا؟ مجھے ہر قیمت پر عدالت میں ظاہر ہونے سے روکنے کے لیے کیوں اتنے سارے قدامات کیے گئے، ایسے اقدامات جو اس سے قبل کسی عدالت نے نہ دیکھے؟ اس کے برعکس، میں پیش ہونے کی خاطر جن مراحل سے گزرا ہوں آپ کو نہ بتاتا۔ میں نے عدالت سے مروجہ اصولوں کے مطابق عدالت میں لانے کا کہا، اور میں نے اُن خفیہ سازشوں کو فاش کیا جو عدالت کو ایسا نہ کرنے کے لیے کی گئیں۔ میں اُن کے خلاف روبرو دلائل دینا چاہتا تھا۔ مگر وہ میرا سامنا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کون سچ سے خوف زدہ تھا، اور کون نہ تھا؟

آمر کے کیمپ کولمبیا میں دیے گئے بیانات کو مسخرہ پن تصور کیا جاتا اگر وہ خون میں اس قدر رنگے نہ ہوتے۔ اس نے دعویٰ کیا کہ ہم کرائے پر کام کرنے والوں کا ایک گروہ تھے اور یہ کہ ہمارے اندر کئی غیر ملکی تھے۔ اس نے کہا کہ ہمارے منصوبے کا مرکزی حصہ اُسے قتل کرنے کا تھا، اُسے، ہمیشہ اُسے۔ گویا جن لوگوں نے مونکیڈا بیرکوں پر حملہ کیا تو اگر انھوں نے ایسے طریقوں کو منظور کیا ہوتا تو وہ اُسے اور اس جیسے بیس دوسروں کو قتل نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے بیان دیا کہ ہمارے حملے کی منصوبہ بندی سابق صدر پرائیو نے کی، اور یہ کہ پرائیو کے پیسے سے اس حملے کو فنانس کیا گیا تھا۔ یہ ناقابلِ تردید طور پر ثابت ہو چکا کہ ہماری تحریک اور سابقہ رجیم کے بیچ کسی طرح بھی تعلق نہ تھا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ ہمارے پاس مشین گن اور ہینڈ گرنیڈ تھے۔ مگر ملٹری ٹیکنیشنوں نے یہیں اس عدالت کے سامنے بیان کیا کہ ہمارے پاس محض ایک مشین گن تھی اور ایک بھی ہینڈ گرنیڈ نہ تھا۔ اس نے کہا کہ ہم نے سنتریوں کے سر قلم کر دیے۔ مگر آرمی کے سارے اموات کے ڈیتھ سرٹیفکیٹ اور میڈیکل رپورٹ بتاتی ہیں کہ ایک بھی موت بلیڈ اور دھار سے نہ ہوئی۔ مگر سب سے بڑھ کر اور سب سے اہم اس نے کہا کہ ہم نے ملٹری ہسپتال کے

مریضوں کو چھری گھونپ دی۔ مگر ہسپتال کے ڈاکٹروں (آرمی ڈاکٹروں) نے گواہی دی کہ ہم نے اس عمارت پر قبضہ ہی نہیں کیا اور یہ کہ ایک بھی مریض ہماری طرف سے زخمی یا قتل نہ ہوا۔ اور یہ کہ ہسپتال کے محض ایک ملازم، ایک چوکیدار کی موت ہوئی تھی جس نے ناتجربہ کاری میں ایک کھلی کھڑکی سے باہر اپنا سر مارا تھا۔

جب ایک ریاست کا سربراہ، جو اس طرح ہونے کا دکھاوا کرے، قوم کے سامنے اعلانات کرے، تو وہ صرف اپنی آواز سننے کے لیے نہیں بول رہا ہوتا۔ اُس کے پاس کوئی خاص مقصد ہوتا ہے اور وہ کچھ مخصوص ردِعمل کی توقع کر رہا ہوتا ہے یا اُس کا کوئی ارادہ ہوتا ہے۔ چوں کہ ہماری فوجی شکست پہلے ہی ہو چکی تھی۔ اور جہاں تک ہمارا تعلق تھا تو ہم ڈکٹیٹر شپ کے لیے کوئی حقیقی خطرہ نہ رہے تھے، تو پھر انھوں نے اس طرح ہمیں کیوں بدنام کیا؟ اگر یہ ابھی تک واضح نہیں ہے کہ یہ ایک خون آلودہ تقریر تھی کہ یہ محض اُن جرائم کا جواز پیش کرنے کی ایک کوشش تھی جس کا وہ اُس سے پہلی رات سے ارتکاب کر رہے تھے اور یہ کہ وہ جرائم جاری رکھنے والے تھے تو پھر اعداد و شمار کو میرے حق میں بولنے دیں 27 : جولائی کو ملٹری ہیڈ کوارٹرز سے تقریر کرتے ہوئے بتستا نے کہا کہ حملہ آوروں کے 32 مار دیے گئے۔ ہفتے کے آخر میں اموات کی تعداد کو 80 افراد تک بڑھا دیا گیا۔ کس جنگ میں، کس تصادم میں یہ نوجوان مر گئے؟ بتستا کی تقریر سے پہلے 25 قیدیوں کو قتل کیا گیا تھا۔ بتستا کی تقریر کے بعد مزید کا قتل عام کیا گیا۔

اُن منکسر آرمی ٹیکنیشنوں اور پروفیشنلز کا عظیم احساسِ وقار دیکھیے جنھوں نے عدالت کے سامنے حقائق کو توڑا مروڑا نہیں بلکہ سخت ترین سچ کے ساتھ جڑے رہنے کی اپنی رپورٹیں پیش کیں۔ یہ یقیناً ایسے سپاہی ہیں جو اپنی وردی کا احترام کرتے ہیں، یہ بلاشبہ جواں مرد ہیں۔ نہ کوئی اصلی سپاہی اور نہ ہی ایک سچا مرد دروغوں اور جرم کے ساتھ اپنے کوڈ آف آنر کو کم کر سکتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ان میں سے کئی سپاہی بربریت والے خفیہ قتل کے ارتکاب پہ برہم ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اُس قتل کے خون کی بُو پہ شرمندگی اور کراہت محسوس کرتے ہیں جو مونکیڈ ابیرکوں کے ہر پتھر کو حاملہ کرتی ہے۔

اب جب کہ اُس کی اپنی فوج کے اندر موجود باوقار انسانوں کی طرف سے اس کی تردید ہو چکی ہے، میں ڈکٹیٹر کو چیلنج کرتا ہوں کہ ہمارے خلاف اپنی خبیث بد گوئی کو دہرائے۔ میں اس کی 27 کی تقریر کو کیوبا کے عوام کے سامنے تائیدی دلائل پیش کرنے پر اس کا مقابلہ کرتا ہوں۔ اسے خاموش نہ رہنے دیا جائے۔ اُسے بولنا ہوگا۔ اُسے بتانا ہوگا کہ قاتل کون ہیں، سنگ دل غیر انسانی کون ہیں۔ اسے ہمیں بتانا ہوگا کہ اُس نے اُس قتل عام کے اپنے جن سات ہیروؤں کے سینوں پر میڈل آف آنر چپکائے تو کیا وہ اُن بھیانک جرائم کا انعام تھے جو انھوں نے کیے؟ اُسے اُس گھڑی سے تاریخ کے سامنے اپنی ذمہ داری قبول کرنا ہوگی۔ اُسے، کہیں بعد میں، یہ دکھاوا نہ کرنے دیا جائے کہ سپاہی اُس سے ڈائریکٹ احکامات لیے بغیر اقدامات کر رہے تھے! اس سے قوم کے سامنے اُن 70 قتلوں کی وضاحت لی جائے۔ خون ریزی بڑی تھی۔ قوم کو وضاحت چاہیے۔ قوم کو وضاحت کی تلاش ہے۔ قوم اس کا مطالبہ کرتی ہے۔

یہ عام معلوم بات ہے کہ 1933ء میں نیشنل ہوٹل پر لڑائی کے آخر میں کچھ افسر ہتھیار ڈالنے کے بعد قتل کیے گئے تھے۔ بوہیمیا میگزین نے زوردار طریقے سے احتجاج کیا تھا۔ یہ بھی معلوم بات ہے کہ اتآریز قلعہ کے ہتھیار ڈالنے کے بعد محاصرہ کرنے والی مشین گنوں نے قیدیوں کی ایک قطار کو بھون ڈالا تھا۔ اور یہ کہ ایک سپاہی نے یہ پوچھ کر کہ بلاس ہرنانڈس کون ہے، اُسے سیدھا چہرے پہ گولی مار کر قتل کیا، اور اِس بزدلانہ عمل پر اُسے افسر کے رینک میں ترقی دی گئی تھی۔ کیوبا کی تاریخ میں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ قیدیوں کو قتل کر دینا بتستا کے نام کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ہم کتنے سادہ تھے کہ اس بات کی پیش بینی نہ کر سکے۔ بہر حال، 1933ء کے وہ قتل جس قدر نامعقول تھے منٹوں میں ہوئے، بالکل اتنے ہی وقت میں جس میں کہ ایک مشین گن کی برسٹ چل جائے۔ اُس پر طرہ یہ کہ وہ اُس وقت ہوئے جب کہ مزاج ابھی تک شدید حساسیت میں تھے۔

سنٹیاگو ڈی کیوبا میں یہ معاملہ نہ تھا۔ یہاں دہشت ناک غصہ اور ظلم کی ساری قسمیں جان بوجھ کر حد سے زیادہ کی گئیں۔ ہمارے آدمی منٹوں میں قتل نہ کیے گئے، نہ ایک گھنٹے میں یا

ایک دن میں۔ پورے ایک ہفتے تک ضربیں اور ٹارچر جاری رہا، انھیں چھتوں سے نیچے پھینک کر گولی ماردی گئی۔ جرم کے بہت ہی ماہروں کے ذریعے بیخ کنی کے سارے طریقے پے در پے استعمال کیے گئے۔ مونکیڈا بیرکوں کو ٹارچر اور موت کے ایک ورکشاپ میں تبدیل کیا گیا۔ کچھ بے شرم افراد نے اپنی وردیوں کو قصائی کے ایپرنوں میں بدل دیا۔ دیواریں خون کے چھینٹوں سے لال لال ہوگئیں۔ دیواروں میں گھسی گولیاں کھال کے ٹکڑوں، مغز، انسانی بالوں اور سیدھا چہروں پر رائفل فائر کی خوف ناک یاد دہانیوں سے داغ دار تھیں۔ بیرکوں کے گرد گھاس انسانی خون سے سیاہ اور چپکنے والی تھی۔ مجرمانہ ہاتھوں نے جو کیوبائی قسمت کی قیادت کررہے ہیں، موت کے اُس اڈے کے داخلہ گیٹ پر قیدیوں کے لیے دوزخ کا وہی کندہ کردہ فقرہ لکھ دیا تھا:

''ساری امید ترک کردو''۔

انھوں نے حتیٰ کہ کسی بات کو چھپانے کی کوشش بھی نہ کی۔ انھوں نے یہ چھپانے کی معمولی کوشش بھی گوارا نہ کی کہ وہ کیا کررہے تھے۔ انھوں نے سوچا کہ وہ لوگوں کو اپنے دروغوں سے دغا دے چکے اور انجام یہ کہ وہ خود کو دھوکہ دے چکے۔ انھوں نے خود کو کائنات کا مالک اور آقا سمجھا جن کی قدرت میں زندگی اور موت تھی۔ چناں چہ صبح سویرے والے ہمارے حملے پر انھیں جو خوف ہوا تھا، وہ خون کے شرابی والے رقص و سرور میں، لاشوں کی ایک دعوت میں اڑ گیا۔

ساڑھے چار سو سال کی ہماری تاریخ ہمیں ظلم کی کئی داستانیں بتاتی ہے: سپین والوں کی طرف سے نہتے انڈینز کا قتل عام، ساحل کے ساتھ ساتھ قزاقوں کی لوٹ مار اور مظالم، ہماری جنگِ آزادی کے دوران سپین کے سپاہیوں کی بربریتیں، ویلر کی فوجوں کی طرف سے کیوبائی آرمی کے قیدیوں کو گولیاں مار کر قتل کرنا، ماچاڈو رجیم کی دہشتیں اور مارچ 1935ء کے خونی جرائم وغیرہ۔ مگر سنٹیا گوڈی کیوبا جیسے کشتگان کی تعداد اور ظلم کرنے والوں کی بدخصالی جیسا غم ناک اور خونی صفحہ کبھی نہ لکھا گیا۔ ان ساری صدیوں میں صرف ایک شخص نے ہماری تاریخ کو دو الگ الگ وقتوں میں خون سے رنگ دیا اور اپنے پنجوں کو کیوبائیوں کی دو نسلوں کے گوشت میں گاڑ دیا۔ خون کا یہ دریا بہانے کے لیے اُس نے دانا (مارٹی) کی صد سالگی کا انتظار کیا۔ ریپبلک کی محض پچاسویں

سالگرہ کے بعد، جس کے عوام بہت ساری زندگیوں کی قیمت پر آزادی، انسانی حقوق اور مسرت کے لیے لڑے تھے۔ اُس کا جرم تو اور بڑا ہے اور مزید قابلِ الزام ہے اس لیے کہ جس شخص نے اس کا ارتکاب کیا تھا، اس نے پہلے ہی، گیارہ طویل برسوں تک اپنے عوام پر حکم عانی کی تھی۔ وہ عوام جو اس قدر گہرے جذبے اور روایت کے ساتھ، آزادی سے پیار کرتے ہیں اور برائی کو ترک کرتے ہیں۔ یہ شخص مزید برآں اپنی پبلک زندگی میں کبھی ایک منٹ کے لیے بھی مخلص، وفادار، ایمان دار یا بہادر نہ رہا۔

وہ جنوری 1934ء کی غداری، مارچ 1935ء کے جرائم اور 40 ملین ڈالر کی اُس دولت سے سیر نہ ہوا جس نے اُس کی پہلی رجیم کو تاج پہنایا۔ اُسے اِس کے اندر مارچ 1952ء کی غداری، 1953ء کے جرائم، اور اُن سارے ملینوں کو جمع کرنا پڑا جنھیں صرف وقت آشکار کرے گا۔ دانتے نے اپنی جہنم کو نو حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ اس نے جرائم پیشہ لوگوں کو ساتویں حصے میں رکھا، چوروں کو آٹھویں میں، اور غداروں کو نویں میں۔ ابلیسوں کو اس وقت بہت مشکل معمہ کا سامنا ہوگا جب وہ اس آدمی کی روح کے لیے ایک معمولی جگہ تلاش کر رہے ہوں گے... اگر اس آدمی کے پاس کوئی روح ہے تو۔ جس شخص نے سنتیا گوڈی کیوبا میں بربریت والے اقدامات کرائے تھے اس کے پاس دل ہے ہی نہیں۔

میں اُس طریقے کی کئی تفصیلات جانتا ہوں جس سے کہ یہ جرائم کیے گئے۔ اُن سپاہیوں میں سے کچھ کی اپنی زبان سے جنھوں نے، شرم سے بھرے ہوئے، مجھے اُن مناظر کے بارے میں بتایا جو انھوں نے دیکھے۔

جب لڑائی ختم ہو چکی تھی تو سپاہی سنتیا گوڈی کیوبا پر وحشی درندوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ اور انھوں نے اپنی فرسٹریشن کا پہلا غصہ نہتی آبادی پر اتارا۔ ایک گلی کے بیچ میں اور لڑائی کی جگہ سے دُور انھوں نے ایک معصوم بچے کے سینے میں گولی ماردی جو اپنے گھر کے دروازے کے سامنے کھیل رہا تھا۔ جب باپ بچے کو اٹھانے آیا تو انھوں نے اس کے سر پر گولی ماردی۔ بغیر ایک لفظ کے انھوں ''Cala ''Nino کو گولی ماردی جو کہ اپنے ہاتھ میں ایک روٹی لیے اپنے گھر

جار ہا تھا۔شہری آبادی کے خلاف سارے ارتکاب کردہ جرائم اور مظالم کو بیان کرنا ناممکن ہے۔ اور اگر آرمی نے اُن لوگوں کے خلاف یہ سب کچھ کیا جن کا اس اقدام سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہ تھا، تو آپ اُن قیدیوں کے خوف ناک مقدر کا تصور کر سکتے ہیں جنھوں نے اس لڑائی میں حصہ لیا تھا' یا جس پر حصہ لینے کا شک تھا۔ بالکل اسی طرح، جس طرح اس مقدمے میں انھوں نے بہت سے لوگوں پر الزام لگایا جن کا ہمارے حملے سے کسی طرح کا تعلق نہ تھا۔اسی طرح انھوں نے بہت سے ایسے قیدی بھی قتل کیے جن کا اس حملہ سے کسی طرح کا بھی کوئی تعلق نہ تھا۔اِن آخر الذکر لوگوں کا نام اُن کشتگان کی لسٹ میں شامل نہیں ہے جو رجیم نے جاری کی؛ اُس لسٹ میں تو بلا شرکت غیرے ہمارے آدمیوں کے نام ہیں۔ کسی دن قتل شدگان کی مجموعی تعداد معلوم ہو جائے گی۔

پہلا قیدی جو قتل کیا گیا وہ ہمارا ڈاکٹر ماریو مانوز تھا، جس کے پاس کوئی اسلحہ نہ تھا، اس نے کوئی وردی نہیں پہن رکھی تھی اور جس نے ایک فزیشن والا سفید چوغہ پہن رکھا تھا۔ وہ ایک عالی ہمت اور قابل آدمی تھا جو کسی زخمی دشمن کو بھی وہی بھرپور خیال داری مہیا کرتا جو وہ ایک دوست کو کرتا تھا۔سویلین ہسپتال سے بیرک تک والی سڑک پر انھوں نے اُسے پشت پر گولی ماردی اور اُسے وہیں پڑا ہوا چھوڑ دیا۔اس کا چہرہ خون کے ایک کھڈے میں پڑا تھا۔

مگر جنگی قیدیوں کا قتلِ عام سہ پہر تین بجے سے پہلے شروع نہیں ہوا۔ وہ تین بجے تک احکامات کا انتظار کرتے رہے۔ پھر جنرل مارٹن ڈا پا زتا مایو ہوانا سے پہنچا۔ وہ بتستا کے ساتھ ایک میٹنگ سے خصوصی ہدایات لے کر آیا تھا۔ اس میٹنگ میں آرمی کا سربراہ، ملٹری انٹیلی جنس کا سربراہ اور دیگر شامل تھے۔ اُس نے کہا : ''آرمی کے لیے شرم اور ہتک کی بات ہے کہ جنگ میں باغیوں کے مقابلے میں تین گنا زیادہ سپاہی مارے گئے۔ ایک سپاہی کے مقابلے میں دس قیدی قتل کیے جائیں'' یہ تھا حکم!

ہر معاشرے میں کمینہ جبلت والے لوگ موجود ہوتے ہیں۔سیڈسٹ، وحشی، سارے آبائی حیوانیت کے منتقل کرنے والے انسانوں کے بھیس میں چلتے ہیں، مگر وہ محض ڈسپلن اور سماجی

عادت سے، کم یا زیادہ محدود رکھی گئی عفریتیں ہیں۔ اگر انھیں خون کے ایک دریا سے ڈرنک پیش کی جائے تو وہ اُس وقت تک مطمئن نہیں ہوتے جب تک کہ وہ اُس دریا کو پی پی کر ختم نہ کر دیں۔ ان آدمیوں کو بس حکم کی ضرورت تھی۔ اُن کے ہاتھوں کیوبا کے بہترین اور نوبل ترین انسان ختم ہوئے : سب سے بہادر، سب سے ایمان دار اور سب سے زیادہ آئیڈیلیٹ لوگ۔ ڈکٹیٹر انھیں کرائے کے قاتل کہتا ہے۔ وہ سب ہیرووُں کی طرح اُن لوگوں کے ہاتھوں مر رہے تھے جو ریپبلک سے تنخواہ لیتے ہیں اور جو رپبلک کے اسلحہ سے ایک گروہ کے مفادات کی حفاظت کرتے ہیں اور ریپبلک کے بہترین آدمیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ ہمارے کامریڈوں کو ٹارچر کرتے رہنے کے دوران آرمی نے اُن کے نظریے سے غداری کر کے اور جھوٹا اعلان کر کے کہ پرائیو نے انھیں پیسہ دیا تھا، انھیں اپنی زندگیاں بچانے کا موقع دیے رکھا۔ جب انھوں نے اُس دعویٰ کو برہمی کے ساتھ مسترد کر دیا، تو آرمی نے اپنے خوف ناک ٹارچر جاری رکھے۔ انھوں نے اُن کے خصیے کچل دیے۔ ان کی آنکھیں نکال دیں۔ مگر کوئی بھی نہ جھکا۔ کوئی شکایت نہ سنی گئی، نہ کوئی رعایت مانگی گئی۔ جب حتیٰ کہ انھیں اُن کے لازمی اعضا سے محروم کیا گیا، ہمارے آدمی اپنے سارے اذیت رسانوں کو ملا کر بھی اُن سے اب بھی ہزار گنا زیادہ بہادر تھے۔ فوٹو گراف، جو جھوٹ نہیں بولتے دکھاتے ہیں کہ جسم ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے۔ دوسرے طریقے استعمال کیے گئے۔ آدمیوں کی بہادری سے فرسٹریٹ ہو کر انھوں نے ہماری عورتوں کی ہمت توڑنا چاہی۔ ہاتھوں میں خون بہتی ہوئی ایک آنکھ اٹھائے ایک سارجنٹ اور کئی سپاہی جیل کی ایک کوٹھڑی میں داخل ہوئے جہاں ہماری کامریڈز، میلبا ہرنانڈز اور ہائیڈی سنتا ماریا کو قید رکھا گیا تھا۔ ثانی الذکر کو مخاطب کرتے ہوئے اور اُسے وہ آنکھ دکھاتے ہوئے سارجنٹ بولا : ”یہ تمہارے بھائی کی آنکھ ہے۔ اگر تم وہ کچھ ہمیں نہ بتاؤ گی جو وہ بتانے سے انکار کر رہا ہے تو ہم اس کی دوسری آنکھ بھی پھوڑ ڈالیں گے“۔ وہ جسے اپنا بہادر بھائی ہر چیز سے پیارا تھا مکمل وقار سے بولی: ”اگر تم نے ایک آنکھ پھوڑ لی اور وہ پھر بھی کچھ نہ بولا تو پھر میں کیسے بولوں گی؟“ وہ پھر لوٹ آئے اور جلی ہوئی سگریٹوں سے اُن کے بازو جلائے جب بالآخر عداوت سے بھرے، انھوں نے کم سن ہائیڈی سنتا

ماریا کو بتایا: ''اب مزید تمہارے پاس منگیتر نہیں ہے اس لیے کہ ہم نے اُسے بھی قتل کر دیا''۔ مگر پھر بھی پرسکون، اس نے جواب دیا: ''وہ نہیں مرا، اس لیے کہ اپنے وطن کے لیے مرجانا ہمیشہ کی زندگی پانا ہوتا ہے''۔ کیوبا کی عورت کا ہیروازم اور وقار اتنی بلندیوں تک کبھی نہ پہنچا تھا۔

شہر کے مختلف ہسپتالوں میں جنگی زخمیوں کے لیے بھی کوئی عزت نہ تھی۔ انھیں اس طرح شکار کر کے مار گرایا گیا جس طرح گدھ اپنے شکار کا تعاقب کرتے ہیں۔ سنٹر وکالیگو میں وہ اسی لمحے آپریشن تھیٹر توڑ کر داخل ہوئے جب ہمارے دو شدید زخمیوں کی بلڈ ٹرانسفیوژن ہو رہی تھی۔ انھوں نے انھیں میزوں سے نیچے گرایا۔ اور چوں کہ زخمی کھڑے نہیں ہو سکتے تھے تو انھیں گھسیٹ کر پہلی منزل تک لایا گیا جہاں تک پہنچنے پر وہ لاشیں بن چکے تھے۔ وہ ہسپانوی کلینک میں یہ کچھ نہ کر سکے جہاں گستاوا کروس اور جوزے پونسے مریض تھے، اس لیے کہ انھیں ڈاکٹر پوسادا نے ایسا کرنے دیا۔ اس نے بہادری سے انھیں بتا دیا کہ وہ اس کی لاش پر سے گزر کر آگے جا سکتے ہیں۔

انھوں نے پیدرو میرٹ، البرد و کرسپو اور فیڈل لبراڈ ور کو ملٹری ہسپتال میں قتل کرنے کی غرض سے اُن کی رگوں میں ہوا اور کافور کے انجکشن لگائے۔ ان کی زندگی کا سہرا فوجی ڈاکٹر اور باوقار سپاہی کیپٹن تمایو پر جاتا ہے۔ جس نے ہاتھ میں پستول تھامے بے رحم قیدی بنانے والوں کے ہاتھوں کو دبوچ لیا اور مریضوں کو سویلین ہسپتال ٹرانسفر کر دیا۔ ہمارے زخمیوں میں سے وہی پانچ نوجوان زندہ رہے۔

صبح سویرے ہمارے آدمیوں کے گروپس کو بیرکوں سے نکالا گیا تھا اور موٹر گاڑیوں کے ذریعے سبوتی، لامایا، سونگو اور دیگر جگہوں پر لے جایا گیا۔ پھر انھیں باندھ کر، منہ میں کپڑا ٹھونس کر پہلے ہی ٹارچر سے مسخ شدہ الگ تھلگ جگہوں پر قتل کر دیا گیا۔ اُن کا نام آرمی کے خلاف جنگ میں مارے جانے والوں کے بطور درج کیا گیا۔ ایسا کئی روز تک ہوتا رہا اور پکڑے گئے قیدیوں میں سے چند ہی زندہ رہے۔ کئی اوں کو خود اپنی قبریں کھودنے پر مجبور کیا گیا۔ ہمارے آدمیوں میں سے ایک، جب وہ کھود رہا تھا، گھوم گیا۔ اور اپنی کدال سے اپنے قاتلوں میں

سے ایک کے چہرے کو پھاڑ ڈالا۔ دوسروں کو حتیٰ کہ زندہ دفن کیا گیا، جب کہ ان کے ہاتھ پشت پر باندھے ہوئے تھے۔ کئی تنہا جگہیں، بہادروں کی قبرستان بن گئیں۔ صرف آرمی ٹارگٹ رینج میں ہمارے پانچ آدمی دفنائے پڑے ہیں۔ ایک روز آئے گا جب اِن آدمیوں کو قبروں سے نکالا جائے گا۔ پھر عوام انھیں اپنے کندھوں پر مارٹی کے مقبرے کے قریب لے جائیں گے اور اِن آزادوطن کے شہیدوں کی یاد میں ایک وقار کی یادگار کھڑی کر دیں گے۔

انھوں نے سنتیا گوڈی کیوبا کے اردگرد جس آخری نوجوان کو قتل کیا وہ مارکوس مارٹی تھا۔ اسے 30 تاریخ کو جمعرات کی صبح سوٹی کے ایک غار میں ہمارے کامریڈ سیرو ریڈانڈو کے ساتھ گرفتار کیا گیا تھا۔ ان دونوں آدمیوں کو اُن کے بازو کھڑے کرائے ہوئے سڑک تک ہانکا گیا۔ اور سپاہیوں نے مارکوس مارٹی کو پیچھے گولی ماردی۔ جب وہ زمین پر گر گیا تو انھوں نے اسے گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ ریڈانڈو کو کیمپ لے جایا گیا۔ جب میجر پیریز چومونٹ نے اُسے دیکھا تو چیخا: ''اور یہ؟ اِسے میرے پاس کیوں لائے ہو؟'' عدالت نے یہ واقعہ خود ریڈانڈو کے منہ سے سنا۔ یہ نوجوان پیریز چومونٹ کے بقول ''سپاہیوں کی احمقی'' کی وجہ سے بچا۔

صوبے بھر میں یہی حال تھا۔ 26 جولائی کے دس روز بعد شہر کے ایک اخبار نے خبر چھاپی کہ مانزانیلو سے بایامو جانے والی سڑک پر دونوجوان آدمی پھانسی پر لٹکے ہوئے ملے۔ بعد میں ان لاشوں کی شناخت ہیوگو کامیجو اور پیڈرو ویلیز کے نام سے ہوئی۔ وہاں ایک اور غیر معمولی واقعہ رونما ہوا: وہاں تین مقتول تھے۔ انھیں اس صبح مانزانیلو بیرکوں سے گھسیٹا گیا تھا۔ سڑک کے کسی مقام پر انھیں باہر نکالا گیا، مار مار کر بے ہوش کیا گیا اور ایک رسی سے گلا گھونٹ دیا گیا۔ مگر جب مردہ سمجھ کر انھیں چھوڑ دیا گیا تو اُن میں سے ایک آندرے گارشیا دوبارہ ہوش میں آیا اور ایک کسان کے گھر میں چھپ گیا۔ اس کی وجہ سے عدالت کو اِس جرم کی تفصیل بھی معلوم ہوئی۔ بایامو علاقے میں ہمارے جتنے بھی آدمی گرفتار کر لیے گئے، ان میں سے زندہ بچنے والا یہ واحد آدمی ہے۔

دریائے کاؤٹو کے ساتھ برانکاس نامی ایک جگہ پر ایک کھڈے میں راؤل ڈی اگیور،

آرماندو ڈی ویلے، اور آندرے ویلدیز کی لاشیں پڑی ہیں۔ انھیں آلٹاسیڈرو کے لیفٹننٹ انچارج نے آلٹوسیڈرو سے پالماسوریانو کے بیچ والی سڑک پر آدھی رات کو میرانڈا ابیرکوں پہ ملٹری پوسٹ کے انچارج سارجنٹ مونٹیز ڈی اوکا کارپورل ماسیو اور مقتول لوگوں کے گرفتار ہونے والی جگہ پر قتل کر دیا۔ جرم کا ذمہ دار سرجنٹ یولالیوگنزالیز جسے ٹائیگر آف مونکیڈا ابیرکس کہا جاتا ہے، ایک خاص مقام کا حق دار ہے۔ بعد میں اس شخص کو اپنے ناگفتہ بہ کارناموں کے بارے میں ڈینگیں مارنے کے لیے ضمیر کی ایک معمولی خلش تک نہ ہوئی۔ یہ وہی تھا جس نے اپنے ہاتھوں سے ہمارے کامریڈ آبیل سانتاماریا کو قتل کیا تھا۔ مگر اُس سے اس کا دل ٹھنڈا نہ ہوا۔ ایک روز جب وہ پورٹو بونیا ٹو جیل سے واپس آرہا تھا، جہاں وہ پچھلے احاطے میں لڑاکو مرغے پالتا ہے، تو وہ ایک بس پر سوار ہوا۔ اُسی بس پر آبیل کی ماں بھی سفر کر رہی تھی۔ جس وقت اِس وحشی کو معلوم ہوا کہ وہ خاتون کون ہے تو اس نے اپنے ڈراؤنے کارناموں کے بارے میں ڈینگیں مارنی شروع کر دیں اور اونچی آواز میں، تا کہ ماتمی لباس میں وہ خاتون اُس کی آواز سن سکے۔ اس نے کہا: ''ہاں، میں نے کئی آنکھیں پھوڑ ڈالیں اور میں مزید آنکھیں نکالتے رہنے کی توقع رکھتا ہوں''۔ جس بے مثال اخلاقی گراوٹ میں ہماری قوم مبتلا ہے اُسے الفاظ کی قوت سے دور، اِسی شخص کی بزدلانہ بے ادبی کے سامنے اس ماں کی غمناک ہچکیوں سے اظہار ہوتا ہے جس نے اُس کے بیٹے کو قتل کیا۔ جب یہ مائیں اپنے بچوں کے بارے میں معلوم کرنے مونکیڈا ابیرکس گئیں، تو انھیں ناقابلِ یقین ترش روئی اور سیڈ اِزم سے بتایا گیا: ''یقیناً میڈم، آپ اس سے سانتا ایفی جینیا ہوٹل میں ملاقات کر لیں جہاں ہم نے اسے آپ کے لیے قیام کروایا ہوا ہے''۔ یا تو کیوبا کیوبا نہیں ہے یا جو لوگ ان اقدامات کے ذمہ دار ہیں انھیں ایک دن اپنے حساب کا سامنا کرنا ہوگا۔ ناترس لوگ۔ انھوں نے ایسے لوگوں پر غیر مہذب ہتک اچھالی جنھوں نے اُس وقت اپنے سر احترام میں ننگے کیے جب قریب سے انقلابیوں کی میتیں لے جائی جا رہی تھیں۔ وہاں اس قدر زیادہ کشتہ لوگ تھے کہ حکومت نے ابھی تک پوری لسٹ عام کرنے کی جرأت نہ کی۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کے اعداد و شمار جھوٹے ہیں۔ اُن کے پاس سارے کشتگان کے نام موجود ہیں اس لیے کہ ہر قتل سے قبل وہ اس کے بارے

میں ساری معلومات ریکارڈ کرتے تھے۔ نیشنل آئیڈنٹی فکیشن بیورو کے ذریعے شناخت کا پورا لمبا پروسیس ایک بڑا ناٹک تھا اور کئی خاندان ایسے ہیں جو ابھی تک اپنے بیٹوں کے مقدر کی اطلاع کے انتظار میں ہیں۔ یہ سارا کچھ کیوں تین ماہ گزر جانے کے بعد بھی واضح نہ کیا گیا۔

میں ریکارڈ کے لیے یہاں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ سارے مقتولین کی جیبیں آخری آنے ٹکے تک خالی کی گئیں اور اُن کی شخصی چیزیں، انگھوٹیاں، اور گھڑیاں اُن کے جسموں سے اتار لی گئیں اور وہ آج اُن کے قاتلوں نے بے حیائی سے پہنی ہوئی ہیں۔

معزز جج صاحبان! عدالت میں میرے کئی کامریڈوں کے بیان کی وجہ سے آپ میری بتائی ہوئی باتوں میں سے بہت کچھ پہلے ہی جانتے ہیں۔ مگر براہِ کرم یہ بات نوٹ کریں کہ بہت سے اہم گواہوں کو اس مقدمے سے باہر رکھا گیا ہے، حالاں کہ انھیں پچھلی پیشیوں میں موجود ہونے کی اجازت دی گئی تھی۔ مثال کے طور پر میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سویلین ہسپتال کی نرسیں غیر حاضر ہیں، حالاں کہ وہ بھی اُسی جگہ کام کرتی ہیں جہاں یہ مقدمہ چل رہا ہے۔ وہ اس عدالت سے باہر رکھی گئی ہیں تاکہ میرے سوالات کے جواب میں وہ یہ بیان نہ دے پائیں کہ ڈاکٹر ماریو مونوز کے علاوہ بیس دیگر آدمی بھی زندہ گرفتار ہوئے تھے۔ رجیم کو خوف ہے کہ ان گواہوں سے سوالات پوچھنے پر کہیں سرکار کے آفشل بیان میں سے کوئی خطرناک بیان اپنا راستہ نکالتے ہوئے سامنے نہ آئے۔ مگر میجر پیریز چاؤ مونٹ یہاں ضرور پیش ہوا جو میرے سوالات سے بچ نہ سکا۔ ہم نے اُس شخص سے کیا سیکھا، ایک ''ہیرو'' جو محض نہتے اور ہتھکڑی کردہ ہاتھوں کے خلاف لڑا۔ اس سے ہمیں یہ خیال آتا ہے کہ اگر مجھے عدالتی کارروائی سے الگ تھلگ رکھا جاتا تو کمرہ عدالت میں کیا کچھ جاننے کو ملتا۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ سبونّی کے مقام پر بڑھا چڑھا کر بیان کی گئی جھڑپوں میں ہمارے کتنے آدمی مرے تھے؟ وہ جھجکا۔ میں اصرار کرتا رہا، تب بالآخر وہ بولا، اکیس۔ چوں کہ میں جانتا ہوں کہ وہاں ایسی جھڑپیں بالکل ہوئی ہی نہ تھیں، اس لیے میں نے پوچھا کہ ''ہمارے کتنے آدمی زخمی ہوئے تھے۔ اس نے جواب دیا کوئی بھی نہیں، سب مارے گئے تھے''۔ تب ہی میں نے حیرت سے پوچھا تھا کہ کیا فوجی سپاہی ایٹمی ہتھیار استعمال کر رہے تھے؟ بلاشبہ

جہاں لوگوں کو سامنے کھڑا کر کے سیدھی گولی ماری جائے وہاں زخمی نہیں ہوتے۔ پھر میں نے اُس سے پوچھا کہ آرمی کی کتنی اموات ہوئیں؟ اس نے جواب دیا کہ اُس کے دو آدمی زخمی ہوئے تھے۔ آخر میں میں نے اُس سے پوچھا کہ آیا اُن آدمیوں میں سے کوئی مرا؟ تو اس نے کہا، ''نہیں''۔ میں نے انتظار کیا۔ بعد میں آرمی کے سارے زخمی لائن میں کھڑے ہوئے اور یہ معلوم ہوا کہ اُن میں سے ایک بھی سبوئی کے مقام پر زخمی نہ ہوا تھا۔ یہی میجر پیریز چاؤ مونٹ تھا جو اکیس نہتے نوجوانوں کو قتل کرنے پر ذرا بھی نہیں جھجکا، اس نے سیوڈامار ساحل پر ایک محل نما گھر تعمیر کیا۔ یہ گھر ایک لاکھ پیسو سے زیادہ قیمت کا ہے۔ جو بتستا کی نئی حکمرانی کے تحت چند ماہ کی کمائی تھی۔ اور یہ اگر ایک میجر کی کمائی تھی تو اندازہ کریں کہ جنرلوں نے کیا کچھ کمایا ہوگا!

معزز جج صاحبان! ہمارے وہ لوگ کہاں ہیں جنھیں 26 ,27 ,28اور 29 جولائی کو گرفتار کیا گیا تھا؟ یہ معلوم بات ہے کہ سنتیا گوڈی کیوبا کے علاقے میں ساٹھ سے زیادہ افراد گرفتار کیے گئے تھے۔ ان میں سے صرف تین مرد اور دو عورتوں کو عدالت کے سامنے لایا گیا۔ بقیہ ملزموں کو بعد میں پکڑا گیا۔ ہمارے زخمی کہاں ہیں؟ اُن میں سے صرف پانچ زندہ ہیں، باقیوں کو قتل کیا گیا۔ یہ اعداد وشمار ناقابلِ تردید ہیں۔ دوسری طرف بیس فوجی جو ہم نے قیدی بنائے تھے یہاں پیش کیے گئے اور انھوں نے خود اعلان کیا کہ انھیں ہماری طرف سے ایک توہین آمیز لفظ تک نہ ملا۔ تیس فوجی جو زخمی تھے، بہت سے گلی کی لڑائی میں، بھی آپ کے سامنے پیش ہوئے۔ ایک کو بھی ہماری طرف سے قتل نہ کیا گیا۔ اگر آرمی کو 19 اموات اور 30 زخمیوں کا نقصان ہوا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے 80 آدمی مرے ہوں اور محض پانچ زخمی ہوں؟ کسی نے بھی آج تک 21 اموات اور کوئی زخمی نہیں والی کوئی لڑائی دیکھی ہے، جو اِن مشہور لڑائیوں میں پیریز چاؤ مونٹ نے بیان کی ہیں؟

ہمارے پاس یہاں 1895ء کی جنگ میں حملہ آور دستوں کو تلخ لڑائی میں ہونے والی اموات کی لسٹ موجود ہے، دونوں لڑائیوں کی، وہ بھی جس میں کیوبائی فوج کو شکست ہوئی اور وہ بھی جس میں یہ فتح مند ہوئی۔ لاس ولاس میں لاس انڈیوس کی لڑائی : بارہ زخمی کوئی ہلاک نہیں۔

مال ٹیمپو کی لڑائی 4 : ہلاک 23 زخمی۔ کیلی میٹ 16: ہلاک 64 زخمی۔ لا یالما39 : ہلاک 88 زخمی۔ ککارا جیکارا5 : ہلاک 13 زخمی۔ ڈیسکا نسو4: ہلاک 45 زخمی۔ سان گیبرئیل ڈی مبیلو 2: ہلاک، 18 زخمی۔۔۔ان ساری لڑائیوں میں زخمیوں کی تعداد ہلاک شدگان کے مقابلے دوگنی، تگنی سے لے کر دس گنا تک زیادہ ہے، حالاں کہ اُن دنوں کوئی ایسے جدید میڈیکل طریقے موجود نہ تھے جن سے اموات کی شرح فیصد کم کردی جاتی۔تو پھر کس طرح ہم ایک زخمی آدمی پر سولہ اموات کے بہت بڑے تناسب کی وضاحت کرسکیں گے ماسوائے اس تشریح کے کہ ہسپتالوں کے اندر ہی زخمیوں کو سرکار کی طرف سے تہہ تیغ کیا گیا، اور دیگر بے یارومددگار قیدیوں کے قتل کرنے کے اعداد وشمار ناقابلِ تردید ہیں۔

''آرمی کے لیے یہ شرم ناک اور بے توقیری ہے کہ اس نے لڑائی کے اندر باغیوں کی بہ نسبت اپنے تین گنا زیادہ آدمی مروا دیے''، تو ہمیں ہر مرے ہوئے سپاہی پر دس قیدی قتل کرنے چاہئیں''۔ یہ ہے وقار کا تصور جو چھوٹے سے دفع دار رکھتے ہیں جو 10 مارچ کو جنرل بن گئے۔ یہ ہے وہ کوڈ آف آنر جسے وہ قومی فوج پر لاگو کرنا چاہتے ہیں۔ ایک جُھوٹا وقار، ایک مکار وقار، دروغوں فریبوں اور جرم پر مبنی ظاہری وقار؛ وقار کا نقاب جو اُن قاتلوں نے خون سے بھگو کر تیار کیا ہوا ہے۔ کس نے انھیں بتایا کہ لڑتے ہوئے مرجانا بے وقاری ہے؟ کس نے انہیں بتایا کہ ایک فوج کا وقار زخمیوں اور قیدیوں کو قتل کرنے میں ہوتا ہے؟

جنگ کے زمانے میں جس فوج نے جنگی قیدیوں کو قتل کیا اس نے پوری دنیا کی کراہت اور توہین حاصل کی۔ ایسی بزدلی کا کوئی جواز نہیں ہوتا، حتیٰ کہ ایک ایسے معاملے میں بھی جہاں قومی علاقے پر ایک غیر ملکی فوج حملہ کردے۔ ایک جنوبی امریکی آزادی دہندہ کے بقول: ''سخت ترین ملٹری تابع داری بھی ایک سپاہی کی تلوار کو ایک جلاد کی تلوار میں نہیں بدل سکتا'' ۔باوقار سپاہی لڑائی کے بعد بے یارومددگار جنگی قیدی کو قتل نہیں کرتا بلکہ اس کی عزت کرتا ہے۔ وہ ایک زخمی شخص کو ختم نہیں کرتا بلکہ الٹا اُس کی مدد کرتا ہے۔ وہ جرم کے راستے پر کھڑا ہوتا ہے، اور اگر وہ اُسے روک نہیں سکتا تو وہ اُس طرح کرتا ہے جس طرح سپین کے اُس کیپٹن نے کیا تھا جس

نے فائرنگ سکواڈ کی اُس فائرنگ کی آواز سن کر جو کیوبا کے سٹوڈنٹس کو قتل کر رہی تھی، برہمی سے اپنی تلوار کو دو حصوں میں توڑ ڈالا اور اُس فوج میں مزید کام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

جن سپاہیوں نے اپنے قیدیوں کو قتل کیا، وہ اُن سپاہیوں کے لائق نہ تھے جو مر گئے۔ میں نے بہت سارے سپاہی جرأت سے لڑتے دیکھے۔ . .مثال کے طور پر گشت کے اندر وہ سپاہی جنھوں نے اپنی مشین گنیں تقریباً تقریباً دو بدو لڑائی میں ہم پہ چلائی تھیں۔ یا وہ سرجنٹ جس نے موت کا مقابلہ کرتے ہوئے بیرکوں کو حرکت میں لانے کے لیے الارم بجایا تھا۔ اُن میں سے کچھ زندہ ہیں۔ میں خوش ہوں۔ دوسرے مر گئے۔ انھیں یقین تھا کہ وہ اپنی ڈیوٹی کر رہے تھے اور میری نظر میں یہ بات انھیں عزت اور تعریف کے قابل بناتی ہے۔ میں تو صرف اس حقیقت پر افسوس کرتا ہوں کہ بہادروں کو ایک شیطانی کاز کے لیے مرنا پڑتا ہے۔ جب کیوبا کو آزاد کیا جائے گا، تو ہم اُن بہادر سپاہیوں کے بیوی بچوں کو عزت دیں گے۔ انھیں جائے پناہ دیں گے اور امداد دیں گے جو ہمارے خلاف لڑتے ہوئے ختم ہوئے۔ کیوبا کے آلام کے لیے انھیں الزام نہیں دیا جاتا۔ وہ ابھی اس فاسد صورت حال کے شکار ہیں۔

مگر اُن سپاہیوں نے کیا وقار حاصل کیا جو اس جنگ میں مر گئے۔ وہ جنرل ہار گئے جنھوں نے اُن قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جب وہ ہتھیار ڈال چکے تھے۔ وہ لوگ جو راتوں رات جنرل بن گئے، ایک بھی گولی چلائے بغیر، وہ لوگ جنھوں نے اپنے ملک کے خلاف غداری کر کے پیسہ بنالیا، وہ لوگ جنھوں نے ایسی لڑائیوں میں قیدی بنائے گئے لوگوں کو قتل کرنے کے احکامات دیے جن میں کہ وہ خود شامل تک نہ ہوئے : یہ ہیں دس مارچ کے جنرل۔ ایسے جنرل جو انتونیو ماسیو کی فوج کا سامان اٹھانے والے خچروں کو ہانکنے کے بھی اہل نہ تھے۔ آرمی نے ہماری نسبت تین گنا اموات کا نقصان اٹھایا۔ ایسا اس لیے ہوا کہ ہمارے لوگ ماہرانہ انداز میں تربیت یافتہ تھے۔ یہ بات خود آرمی کے لوگوں نے تسلیم کی۔ اور اس لیے بھی ہوا کہ ہم نے مناسب ٹیکٹیکل اقدامات تیار کیے تھے، یہ بھی ایسی حقیقت تھی جس کو فوج نے تسلیم کیا۔ آرمی نے عمدہ انداز میں کارکردگی نہ دی۔ اس کے باوجود کہ ملٹری انٹیلی جنس ایجنسی نے جاسوسی پر ملینوں خرچ کیے، ان

پر ہم نے حیرت میں حملہ کر دیا۔ اور اُن کے ہینڈ گرنیڈ پھٹنے میں کامیاب نہیں ہوئے، اس لیے کہ وہ فرسودہ تھے۔ اور آرمی اس سب کا ذمہ دار مارٹن ڈیاز تمایو جیسے جرنیلوں اور اگالڈے کار یلو اور البرٹ ڈیل رایو شادیانو جیسے کرنلوں کو قرار دیتی ہے۔ ہم آرمی کی صفوں میں گھسنے والے 17 غدار نہ تھے جس طرح کہ دس مارچ کو ہوا تھا۔ اس کے برعکس ہم 165 لوگ تھے جو کیوبا کے دور دراز سے بہادری کے ساتھ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے آئے تھے۔ اگر آرمی لیڈرز کے پاس اصل ملٹری وقار کا ایک نظریہ ہوتا تو وہ اپنے کمانڈز سے استعفے دے دیتے نہ کہ اپنے شرم اور نا اہلی کو اپنے جنگی قیدیوں کے خون میں دھونے کی کوشش کرتے۔

نہتے قیدیوں کو قتل کر دینا اور پھر یہ اعلان کرنا کہ وہ لڑائی کے دوران مارے گئے : یہ ہے دس مارچ کے جنرلوں کی فوجی صلاحیت۔ یہ ہماری جنگِ آزادی کے ظالم ترین سالوں میں ولیریانو ویلر کے بدترین قصائیوں کا طریقہ تھا۔ جنگ کے روزنامچوں میں یہ کہانی شامل ہے 23 : فروری کو افسر بلدومیرو آکوسٹا گھڑ سوار دستوں کے کچھ لوگوں کے ساتھ پونٹا براوا میں داخل ہوا جب مخالف سڑک سے ''پزارو'' رجمنٹ کا ایک دستہ ایک سارجنٹ کی قیادت میں قریب آیا جسے اُن علاقوں میں'' بری گلا'' (برتن پیٹ) کہتے تھے۔ باغیوں نے پزارو کے لوگوں سے کچھ فائرنگ کا تبادلہ کیا، پھر اُس پگڈنڈی سے پسپا ہوئے جو کہ پونٹا بروا سے گوئناؤ کے گاؤں تک جاتی ہے۔ پزارو کے 50 افراد کے دستے نے گوئناؤ پر مارچ کیا، اُن کے پیچھے پیچھے ماریانو سے رضا کاروں کا ایک اور بٹالین، ''پبلک آرڈر کور'' سے فوجیوں کی ایک کمپنی آرہی تھی جس کی قیادت کپٹن کالوو کر رہا تھا۔ . . جونہی اُن کے اولین سپاہی گاؤں میں داخل ہوئے تو انھوں نے قتلِ عام کرنا شروع کر دیا۔ انھوں نے بارہ پر امن باشندے مار ڈالے۔ کیپٹن کالود کی قیادت والے دستے نے اُن سارے سویلینز کو تیزی سے گرفتار کیا جو گاؤں سے بھاگ رہے تھے۔ اُن کو باندھا اور انہیں جنگی قیدی کے بطور ہوانا لے گئے۔ ان کا غصہ پھر بھی ٹھنڈا نہ ہوا، انھوں نے گوئناؤ کے آس پاس ایک اور بربریت والا ایکشن کیا۔ انھوں نے ایک قیدی کو قتل کر دیا اور باقیوں کو بری طرح زخمی کر دیا۔ ایک بزدل سپاہی مارکوئیز آف سرویرا نے سپینی سپاہیوں کی جنگی رقص میں فتح کی اطلاع

ویلر کو دی۔ مگر ایک اصول پرست شخص میجر زوگاستی نے حکومت کے اس واقعہ کو برا کہا کیا اور سرکاری طور پر مجرم کیپٹن کالووا اور سرجنٹ باری گلا کی طرف ارتکاب شدہ قتلوں کو پُرامن شہریوں کا قتل کہا۔

''اس دہشت ناک واقعہ میں ویلر کی مداخلت اور اس قتل عام کی تفصیل جاننے پر اس کی خوشی اسی سرکاری مراسلے سے شاید ظاہری طور پر معلوم ہو جو اُس نے ان ظالمانہ کاروائیوں سے متعلق وزارت جنگ کو بھیجی۔ ''کیپٹن کالوو کی قیادیت میں رضا کاروں کے دستوں سے کمانڈر ماریا نو کے منظم کردہ چھوٹے کالم نے پونٹا براوا کے قریب ولا نواوا' اور، بالدو میرو آ کوسٹا کے گروہوں کو لڑ کر تباہ کر دیا۔ ان کے بیس آدمی مارڈالے جن کو دفن کرنے کے لیے گوئٹاؤ کے میئر کے حوالے کر دیا، اور ان کے پندرہ آدمی قیدی بنا لیے جن میں ایک زخمی تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ اُن میں کافی زخمی ہیں۔ ہماری طرف سے ایک شدید زخمی ہوا، اور کچھ کو معمولی زخم اور خراشیں آئیں۔ ویلر''۔

ویلر کے مراسلے اور میجر پیریز چاؤمونٹ کی فتوحات والے کرنل شاویانو کے مراسلے میں کیا فرق ہے؟ صرف یہ کہ ویلر اپنی صفوں سے ایک زخمی سپاہی کا ذکر کرتا ہے، اور شاویانو، دو کا۔ ویلر دشمن کی صف میں ایک زخمی اور پندرہ قیدیوں کی بات کرتا ہے۔ شاویانو نہ کوئی زخمی بتاتا ہے اور نہ کوئی قیدی۔

بالکل جس طرح کہ میں اُن سپاہیوں کی بہادری کی تعریف کرتا ہوں جو بہادری سے مرے، اسی طرح میں اُن افسروں کی بھی تعریف کرتا ہوں جنھوں نے خود کو وقار میں رکھا اور اس خون میں اپنے ہاتھ نہ رنگے۔ زندہ بچنے والے کئی لوگ اپنی زندگیوں کو لیفٹننٹ ساریا، لیفٹننٹ کامپا، کیپٹن تمایو، اور ان جیسے دیگر افسروں کے قابلِ تعریف رویے کا مرہونِ منت سمجھتے ہیں، جو جنگی قیدیوں کے ساتھ اپنے سلوک میں سچے جنٹلمین تھے۔ اگر ان جیسے لوگوں نے مسلح افواج کے نام کو جزوی طور پر نہ بچایا ہوتا تو آج آرمی یونیفارم کے بجائے ایک نیم برہنہ لباس پہننا زیادہ باعزت سمجھا جاتا۔

میں اپنے مرے ہوئے کامریڈوں کے لیے کسی انتقام کا دعویٰ نہیں کرتا۔ چوں کہ ان کی زندگیاں انمول تھیں، قاتل اُن کی ادائیگی نہ کرسکیں گے حتیٰ کہ اپنی زندگیوں سے بھی۔ ہم ان لوگوں کی زندگیاں خون سے واپس نہیں لاسکیں گے جو اپنے ملک کے لیے مرے۔ اُن کی قوم کی خوشی اُن کے شایانِ شان واحد خراج ہے۔ مزید برآں میرے کامریڈ نہ مرے ہیں اور نہ فراموش کیے جا چکے ہیں۔ وہ زندہ ہیں، آج ہمیشہ سے زیادہ زندہ ہیں۔ اور اُن کے قاتل خوف زدگی میں اُن کی لاشوں سے اُن کے نظریات کا فاتحانہ جذبہ دیکھیں گے۔ ہمارے استاد (مارٹی) وکیل کو میرے لیے بولنے دیں: ''آنسوؤں کی ایک حد ہوتی ہے جو ہم مرنے والے کی قبر کے قریب بہا سکتے ہیں۔ وہ حد مادرِ وطن اور اس کی شان کے لیے بے پایاں محبت ہے۔ ایک ایسی محبت جو کبھی ہچکچاتی نہیں، امید ترک نہیں کرتی اور نہ ہی مدہم پڑسکتی ہے۔ اس لیے کہ شہیدوں کی قبریں ہمارے احترام کے بلند ترین الطار ہیں''۔

جب کوئی مرتا ہے
ایک پسندیدہ ملک کی باہوں میں
کرب ختم ہو جاتا ہے، جیل کی زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں
بالآخر، موت سے، زندگی شروع ہوتی ہے!

یہاں تک میں نے خود کو مکمل طور پر متعلقہ واقعات تک محدود رکھا ہے۔ چوں کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں ایک عدالت کے سامنے ہوں جو میرا فیصلہ کرنے کے لیے لگی ہے۔ اب میں بیان کروں گا کہ سارا لیگل حق صرف ایک طرف تھا، اور یہ کہ میرے کامریڈز کے خلاف ہر مسلط کردہ فیصلے (وہی فیصلہ اب میرے خلاف مانگا جا رہا ہے) کی دلیل، سماجی اخلاقیات اور سچے انصاف کے لحاظ سے کوئی جواز نہیں ہے۔

میری خواہش ہے کہ معزز ججوں کے لیے حسبِ ضابطہ مودب رہوں، اور میں شکر گزار ہوں کہ آپ میری درخواست کی بے تکلفی کے اندر اپنے خلاف کوئی دشمنی نہیں دیکھ رہے۔ میری دلیل کا مطلب محض یہ بیان کرنا ہے کہ موجودہ صورت حال میں جوڈیشل اختیار نے کتنی غلط اور نقلی

پوزیشن اختیار کی ہے۔ ایک حدتک ایک عدالت، نظام کے پہیے کے ایک دندانے سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور لہٰذا وہ اس بہاؤ کے ساتھ چلے گی جو پہیے نے مقرر کی ہے، گو کہ یہ کسی صورت بھی کسی فرد کو اُس کے اصولوں کے خلاف عمل کرنے کو جائز قرار نہیں دیتی۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ سب سے زیادہ الزام طبقہ امرا کی حکومت پر ہے۔ طبقہ امرا کی حکومت جو ایک باوقار احتجاج کے بغیر ہے، زبردستی قبضہ کرنے والے آمر کے اشاروں پر ذلت کے ساتھ جھکی ہوئی ہے اور جوڈیشل پاور کی خودمختاری کو ترک کر کے اپنے ملک سے غداری کر چکی ہے۔ مقدس استثنا رکھنے والے لوگوں نے اپنے انفرادی فیصلوں سے نظام کی دھجیاں بکھرے وقار کو مرمت کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس اقلیت کا یہ عمل بہت کم نتائج کا حامل رہا تھا، اس لیے کہ وہ چاپلوس اور دم ہلاتی اکثریت کے نیچے ڈبو دیے گئے۔ مگر یہ جبریت مجھے اس سچ کے بولنے سے نہیں روکے گی جو میرے کاز کی مدد کرے گا۔ اس عدالت کے سامنے میری حاضری من مانے فیصلوں کو آئینی پن کی ایک مشابہت دینے کی خاطر ایک خالص مزاحیہ ناٹک ہو سکتی ہے، مگر میں اُس بدنام نقاب کو مضبوط ہاتھوں سے پھاڑ پھینکنے میں مصمم ہوں جو اس قدر شرم ناکی کو چھپاتا ہے۔ یہ عجیب ہے کہ جو لوگ میرا فیصلہ کرانے اور سزا دلانے کے لیے مجھے یہاں لائے ہیں انھوں نے خود کبھی اس عدالت کے ایک فیصلے کا بھی لحاظ نہ رکھا۔ چوں کہ یہ مقدمہ، جیسا کہ آپ نے کہا، جب سے ہم نے اپنی قومی آزادی حاصل کی اُس وقت سے لے کر اب تک کا سب سے اہم مقدمہ ہے، اس لیے جو کچھ میں یہاں کہوں گا شاید اُس خاموشی میں گم ہو جائے جو ڈکٹیٹرشپ نے مجھ پر مسلط کرنے کی کوشش کی، مگر آئندہ نسل ہمیشہ آنکھیں اُسی پہ ٹکائے گی جو کچھ آپ یہاں کریں گے۔

یاد رکھیے آج آپ ایک ملزم کا فیصلہ کر رہے ہیں لیکن خود آپ کا صرف ایک بار فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ کئی بار ہوگا۔ اس لیے نہیں کہ یہ الفاظ میرے ہونٹوں سے ادا ہوتے ہیں بلکہ اس لیے کہ انصاف کا معاملہ ازلی ابدی ہے اور عوام گہرا احساس رکھتے ہیں، عوام قانونی موشگافیوں سے بلند انصاف کا ایک عدم سادہ مگر سنگ دل استدلال اپنے قبضے میں رکھتے ہیں، ان سب باتوں کے ساتھ تصادم میں جو کچھ کہ نامعقول اور متضاد ہیں۔ مزید برآں اگر دنیا میں کوئی عوام ایسے ہیں جو

جانب داری اور عدم مساوات سے بری طرح نفرت کرتے ہوں تو وہ کیوبائی عوام ہیں۔ اُن کے لیے انصاف ایک پاک دوشیزہ سے مشابہت رکھتا ہے جس کے ایک ہاتھ میں ترازو اور دوسرے میں تلوار ہے۔ انصاف اگر ایک گروہ سے خائف ہو کر ترازو پھینک دے اور دوسرے گروہ پر غصہ سے تلوار بے دھڑک چلانے لگے تو پھر عوام کی نظر میں وہ انصاف کی دیوی نہیں، ایک خنجر بردار رنڈی ہے۔ میری دلیل عوام کی سادہ دلیل ہے۔

آئیے میں آپ کو ایک کہانی سناتا ہوں : ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک ریپبلک ہوا کرتا تھا۔ اُس کا ایک آئین ہوتا تھا، اُس کے قوانین، اُس کی آزادیاں ہوتی تھیں۔ ایک صدر، ایک کانگریس اور عدالتیں ہوا کرتی تھیں۔ ہر شخص آزادی سے اجتماع منعقد کر سکتا تھا، ایسوسی ایٹ ہو سکتا تھا، بول سکتا تھا اور لکھ سکتا تھا۔ عوام اُس زمانے کے حکومتی اہلکاروں سے مطمئن نہ تھے، اس لیے کہ ان کے پاس نئے اہلکار منتخب کرنے کا اختیار موجود تھا اور جب چند روز رہتے تھے تو وہ دوسرے منتخب کرتے تھے۔ عوامی رائے کو احترام تھا، توجہ اور مشترکہ دلچسپی کے سارے مسائل پر آزادی سے بحث کی جاتی تھی۔ وہاں سیاسی پارٹیاں تھیں۔ ریڈیو اور ٹی وی پر بحثیں ہوتی تھیں اور وہ فورم اور جلسہ عام کرتے تھے۔ ساری قوم جوش سے بھری ہوا کرتی تھی۔ گوکہ عوام نے بہت دکھ اٹھائے تھے اور وہ ناخوش تھے، مگر وہ خوش ہونے کی آرزو کرتے تھے اور خوش ہونے کا حق رکھتے تھے۔ عوام کو کئی بار دھوکہ دیا گیا اور وہ ماضی کو اصلی دہشت سے دیکھتے تھے۔ یہ ملک معصومانہ انداز میں یقین رکھتا تھا کہ اس طرح کا ایک ماضی اب دوبارہ لایا نہیں جا سکتا۔ لوگ آزادی کے لیے اپنی محبت پر فخر کرتے تھے، اور وہ اس ایقان پر اپنے سر بلند رکھتے تھے کہ لبرٹی کی بطور ایک پاک حق کے عزت کی جائے گی۔ وہ اطمینان محسوس کرتے تھے کہ کوئی بھی اُن کے جمہوری اداروں کی خلاف ورزی کرنے کا جرم کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ وہ بہتر کے لیے ایک تبدیلی چاہتے تھے، پراگرس کرنے کی تمنا رکھتے تھے؛ اور وہ یہ سب کچھ دسترس میں دیکھتے تھے۔ ان کی ساری امید مستقبل میں تھی۔

بے چارہ ملک! ایک صبح شہری ٹوٹی ہوئی ہمت سے جاگے۔ رات کی آڑ میں جب کہ

لوگ سو رہے تھے، ماضی کے بھوتوں نے سازش کی تھی اور غیر فوجی کو ہاتھوں، پیروں اور گردن سے پکڑا۔ وہ دبوچ، اور پہنچ جانے پہچانے تھے؛ وہ جبڑے، وہ موت، وہ بوٹ۔ نہیں۔ یہ برا خواب نہ تھا بلکہ ایک غم ناک اور خوف ناک حقیقت تھی۔ بتستا نامی ایک شخص نے اس ڈراؤنے جرم کا ارتکاب کیا جس کی کسی شخص کو توقع نہ تھی۔

اس قوم کے ایک خاکسار شہری نے، ایک شہری جس نے ریپبلک کے قوانین پر یقین رکھنے کی خواہش کی تھی، اس کے ججوں کی راست بازی کی خواہش کی تھی جن کو اس نے حق نایافتہ لوگوں کے خلاف اپنا غصہ نکالنے کا راستہ نکالتے دیکھا تھا، یہ دیکھنے کو سوشل ڈیفنس کوڈ کو تلاش کرتے ہوئے، کہ اس طرح کے ایک کودتا کے مصنف کو سماج نے کیا سزا سنائی تھی، اور اس نے مندرجہ ذیل بات دریافت کیا:

''جو کوئی بھی ڈائریکٹ تشدد کے طریقوں سے ریاست کے آئین کو مکمل یا جزوی طور پر تبدیل کرنے یا جاری حکومت کے طرز کو تبدیل کرنے کی طرف کسی مہم کا ارتکاب کرے گا، تو اس کو چھ سے دس برس کی سزا بھگتنی ہوگی۔

''ریاست کے آئینی اختیارات کے خلاف ایک مسلح بغاوت بھڑکانے کی طرف ایک عمل کے مصنف کو تین سے دس سال کی سزا ہوگی۔ اگر وہ بغاوت کر دی جائے تو پانچ سے بیس برس کی قید ہوگی۔ جو کوئی بھی سینٹ، ایوانِ نمائندگان، صدر، یا سپریم کورٹ کو اپنے آئینی امور سر انجام دینے سے مکمل یا جزوی طور پر، حتیٰ کہ عارضی طور پر بھی روکنے کے خاص مقصد کے لیے عمل کا ارتکاب کرے، اسے چھ سے دس سال کی سزا ہوگی۔

''جو کوئی بھی عام انتخابات کے نارمل راستے میں رکاوٹ یا اس میں دست اندازی کرنے کی کوشش کرے گا اُسے چار سے آٹھ سال کی قید ہوگی۔''

''جو کوئی بھی موجود قوانین کی عدم تابع داری کو فروغ دینے کے لیے کچھ چھاپے گا، پھیلائے گا، یا کیوبا کے اندر ہدایات، احکامات یا فرمان لاگو کرنے کی کوشش کرے گا، اُسے دو سے چھ سال کی قید ہوگی۔''

''جو شخص فوجوں، مورچوں، قلعوں، ملٹری کیمپوں، شہروں، جنگی بحری جہازوں یا فوجی ہوائی جہازوں پر بغیر اتھارٹی کے، یا بغیر حکومت کے احکامات کے، کمانڈ اختیار کرے گا اسے پانچ سے دس برس کی قید ہوگی۔''

''اسی طرح کی سزا اُس شخص پہ بھی ہوگی جو کسی ایسے فریضے کی انجام دہی پر قبضہ کرے گا جو آئین نے ریاست کے اختیارات کو قرار دے رکھا ہو''۔

وہ شہری کسی کو بتائے بغیر، ایک ہاتھ میں مجموعہء قوانین لیے ہوئے اور دوسرے میں ایک گواہی لیے ہوئے پرانے شہر کی عمارت چلا گیا۔ اس پرانی عمارت کو جس میں وہ عدالت موجود ہے جو اُن لوگوں کو سزا دینے کا اختیار رکھتی ہے اور پابند ہے جو اس کرتوت کے لیے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اُس نے ایک رِٹ داخل کی جس میں اُس نے ان جرائم کی مذمت کی اور یہ مطالبہ کیا کہ بتستا اور اس کے سترہ شرکا کو ''سوشل ڈیفنس کوڈ'' کی رو سے 108 سال جیل کی سزا دی جائے: ثانوی جرم غداری کے شدید ہوتے حالات اور رات کی تاریکی میں اقدام کرنے پر بھی غور کیا جائے۔

دن اور مہینے گزر گئے۔ مایوسی کی بات ہے۔ ملزم اسی طرح بغیر مزاحمت کے ہے: وہ ملک میں ایک عظیم لارڈ کی طرح اِدھر اُدھر پھرتا رہا ہے اور ''محترم' جناب اور جنرل'' کہلاتا رہا ہے: اس نے اپنی مرضی سے ججوں کو بھی نکالو اور تبدیل کر دیا۔ جس دن کورٹ کھلا اُسی دن مجرم نے ہمارے محترم اور واجب التعظیم انصاف کے بزرگوں کے بیچ میں اعزاز کی کرسی سنبھالی۔

ایک بار پھر دن اور ماہ گزرتے گئے، عوام تضحیک اور بدسلوکی سے بےزار۔ برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ بالآخر اُس آدمی کے خلاف جدوجہد شروع ہوگئی جو قانون کی بےعزتی کر رہا تھا، جس نے عوام کی مرضی کے بغیر تشدد کا استعمال کر کے اقتدار پر قبضہ کیا تھا، جو جاری نظم و نسق کے خلاف جارحیت کرنے کا قصوروار تھا، جس نے اُن لوگوں کو ٹارچر، قتل، قید اور تشدد کیا تھا جنھوں نے قانون کی حفاظت اور عوام کی آزادی بحال کرنے کی جدوجہد کو شروع کیا تھا۔

معزز جج صاحبان! میں وہ خاکسار شہری ہوں جس نے ایک روز یہ لاحاصل مطالبہ کیا

تھا کہ عدالتیں اقتدار کے بھوکوں کو سزا دیں جنھوں نے قانون کی خلاف ورزی کی تھی اور ہمارے اداروں کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔ اب میں ہی ہوں جس پر اس غیر قانونی رجیم کا تختہ الٹنے اور ریپبلک کے قانونی آئین کو بحال کرنے کی کوشش کرنے کا الزام ہے۔ مجھے 76 دن تک قید تنہائی میں رکھا گیا ہے اور بات کرنے کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے، حتیٰ کہ اپنے بیٹے کے ساتھ بھی۔ میں سنجیدگی سے دو بھاری مشین گنوں کے درمیان شہر میں سے ہانکا جاتا ہوں۔ عظیم ترین سختی کے ساتھ خفیہ عدالت لگانے کے لیے مجھے یہاں اس ہسپتال منتقل کیا گیا ہے۔ اور پراسیکیوٹر ہاتھ میں کوڑ لیے سنجیدگی سے مطالبہ کرتا ہے کہ مجھے 26 سال قید کی سزا دی جائے۔ آپ جواب دیں گے کہ پچھلے موقعے پر عدالتیں عمل کرنے میں ناکام ہوئیں اس لیے کہ طاقت نے انھیں ایسا کرنے نہ دیا تھا۔ اچھا پھر، اعتراف کرلیں کہ اس بار طاقت آپ کو مجھے سزا دینے پر مجبور کرے گی۔ پہلی بار آپ مجرم کو سزا دینے کے قابل نہ تھے؛ اس بار آپ معصوم کو سزا دینے پر مجبور کیے جائیں گے۔ عدالت کی ویشیا دوبار ریپ ہوئی۔

اور اتنی زیادہ بحثیں جائز قرار دینے پر، بیان نہ کیے جاسکنے والے کو بیان کرنے کے لیے اور ناقابلِ مصالحت کی مصالحت کو کرنے کے لیے! رجیم اس بات پر زور دینے کے نکتے تک پہنچ چکی ہے کہ، ''جس کی لاٹھی اُس کی بھینس'' ہی ملک کا سپریم قانون ہے۔ باالفاظِ دیگر، صدارتی محل، قومی خزانہ اور دیگر سرکاری دفاتر پر قبضہ کرنے کے لیے اور لوگوں کے عین دلوں پر بندوقیں تان لینا، ٹینک اور سپاہ کا استعمال انھیں عوام پر حکمرانی کرنے کا حق دیتا ہے! یہی دلیل نازیوں نے استعمال کی تھی جب انھوں نے یورپ کے ملکوں پر قبضہ کیا تھا اور اپنی کٹھ پتلی حکومتیں قائم کی تھیں۔

میں دل سے یقین رکھتا ہوں کہ انقلاب، قانونی حق کا سرچشمہ ہے؛ مگر دس مارچ کے شبینہ مسلح حملے کو کبھی بھی ایک انقلاب قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ہر زبان میں، جس طرح کہ جوزی انجی نیروز نے کہا، یہ عام ہے کہ غیر مطمئن لوگوں کے ایک گروپ کی طرف سے اُن لوگوں سے جو اقتدار میں ہیں، سیاسی کام کی نوکری اور معاشی مفادات دونوں چھین لینے کی غرض سے کی گئی چھوٹی بدنظمی کو

انقلاب کا نام دیا جاتا ہے۔ عمومی نتیجہ نوکریوں اور مفادات کو تقسیم کرنے والے ہاتھوں کی تبدیلی سے زیادہ کچھ نہیں نکلتا۔ یہ ایک فلاسفر کی جانچ کا معیار نہیں ہے اور نہ کسی مہذب شخص کا۔

سماجی نظام میں مربوط تبدیلیوں کے مسئلے کو تو چھوڑ یئے، حتیٰ کہ عوامی دلدل کی سطح پر بھی ہم معمولی ترین حرکت بھی نہ دیکھ سکے جو بے تحاشا سڑاند کو ذرا سا کم کر سکے۔ سابقہ رجیم حقیر سیاست، چوری، لوٹ کھسوٹ اور انسانی زندگی کے عدم احترام کی مجرم تھی؛ مگر موجودہ رجیم نے سیاسی کمینگی والی بددیانتی کو پانچ گنا بڑھا دیا، لوٹ کھسوٹ کو دس گنا، اور انسانی زندگی کے لیے احترام کی کمی کو سو گنا۔

بتستا رجیم نے عوامی بہبود کا ایک بھی ملک گیر پروگرام نہیں چلایا۔ بتستا نے خود کو بڑے مالیاتی مفادات کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس جیسی ذہنیت والے آدمی سے کچھ اور توقع کی بھی نہیں جاسکتی، جو اس کی طرح آئیڈیاز اور اصولوں سے محروم ہو اور عوام الناس کے اعتبار، اعتماد اور حمایت سے محروم ہو۔ اس کی رجیم اپنے ساتھ محض ہاتھوں کی ایک تبدیلی اور دوستوں رشتہ داروں، جرم کے معاونوں اور جونکیانہ طفیلیوں کے ایک نئے گروپ کے بیچ لوٹ کی ازسرِ نو تقسیم لائی جو اس ڈکٹیٹر کے سیاسی نوکر چاکر کو تشکیل کرتی ہے۔ عوام کو کس قدر عظیم شرم سہنے پر مجبور کیا گیا ہے تاکہ اپنے مادرِ وطن کی ضروریات سے بالکل لاتعلق خود پسندوں کا ایک چھوٹا گروہ پبلک لائف میں ایک آسان اور آرام دہ طرزِ زندگی پا سکے۔

ایڈوارڈ وچیباس اپنی آخری ریڈیو تقریر میں کتنا صحیح تھا جب اس نے کہا تھا کہ بتستا کرنل کیسٹر آئل اور بھگوڑے کے قانون کی واپسی کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ دس مارچ کے فوراً بعد کیوبائیوں نے دوبارہ تباہی بربادی کے ٹھوس اقدامات دیکھنا شروع کر دیے جو اُن کا خیال تھا کہ اُن کی قوم سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکے تھے۔ ایک ثقافتی ادارے پر ایک بے مثال حملہ ہوا تھا: SIM کے ٹھگوں نے PAU کے نوجوان غنڈوں کے ساتھ ایک ریڈیو سٹیشن پر دھاوا بولا تھا جب وہ ''ہوا کی یونیورسٹی'' پروگرام نشر کر رہا تھا۔ اور جرنلسٹ ماریو کو چیلان کا واقعہ ہوا، اسے آدھی رات کو گھر سے گھسیٹا گیا اور وحشیانہ طور پر اتنا ٹارچر کیا گیا کہ وہ قریب بے ہوش ہونے والا تھا۔

طالب علم روبن کا قتل ہوا اور اس دیوار کے قریب سٹوڈنٹس کے پرامن جلوس پر فائرنگ کی گئی جہاں 1871ء میں میڈیکل سٹوڈنٹس کو شوٹ کیا گیا تھا۔ اور بہت سے ایسے واقعات جیسے کہ ڈاکٹر گاشیا بارسینا کا واقعہ تھا جہاں کمرۂ عدالت کے اندر آدمی خون تھوک رہے تھے اس لیے کہ ان پر جابر سکیورٹی فورسز نے بربریت والا ٹارچر کیا تھا۔ میں ان سینکڑوں واقعات کو نہیں گنواؤں گا جہاں شہریوں (مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں) کے گروہوں کو ڈنڈوں سے بڑی بے رحمی سے پیٹا گیا۔ یہ سب کچھ حتیٰ کہ 26 جولائی سے پہلے کیا جا رہا تھا۔ اس وقت سے جیسا کہ سب جانتے ہیں ، حتیٰ کہ خود کارڈینل آرتیاگا کو نہ بخشا گیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ جابر ایجنٹوں کا شکار تھا۔ آفیشل سٹوری کے مطابق وہ ''چوروں کے ایک گروہ'' کے ہتھے چڑھا۔ ایک ہی دفعہ رجیم نے سچ بولا۔ یہ رجیم اور کس کام کی ہے؟

عوام نے ابھی دہشت کے ساتھ اس جرنلسٹ کے معاملے پر دھیان دیا ہے جسے اغوا کیا گیا ہے اور جسے بیس دن تک آگ سے ٹارچر کیا گیا۔ ہر نیا واقعہ اَن سنی ڈھٹائی، بے حد منافقت کی شہادتیں سامنے لاتا ہے، اُن لوگوں کی بزدلی کی جو ذمہ داری سے کتراتے ہیں اور مستقل طور پر رجیم دشمنوں پر الزام دھرتے ہیں۔ حکومتی داؤ پیچ صرف بدترین غنڈہ جتھوں پہ مشتمل ہوتے ہیں۔ اتنے بزدل تو نازی جرائم پیشہ بھی نہ تھے۔ ہٹلر نے 30 جون 1934ء کے قتلِ عام کی ذمہ داری قبول کی تھی، یہ کہہ کر کہ 24 گھنٹے تک وہ خود جرمن سپریم کورٹ تھا؛ اس ڈکٹیٹرشپ کے طفیلی ساتھی، کمینگی، کینہ پروری اور بزدلی، اغوا، ٹارچر، قتل اور پھر مکروہ انداز میں رجیم کے مخالفوں پر الزام لگا کر سارے موازنہ کو ختم کرتا ہے۔ یہ سرجنٹ برّی گلا کا مخصوص ٹیکٹکس ہے!

جن سارے کیسز کا میں نے ذکر کیا ہے۔ ان میں سے معزز ججوں نے ایک بار بھی ان جرائم کے لیے ذمہ دار ایجنٹوں کو عدالت بلا کر اُن پہ مقدمہ نہ چلایا۔ یہ کیسی بات ہے؟ کیا یہ امنِ عامہ، نظم، اور انسانی زندگی کے لیے عزت کی رجیم نہیں ہونی چاہیے تھی؟

یہ ساری بات میں نے اس لیے بیان کی ہے تا کہ اب آپ سے پوچھ سکوں : کیا اس صورت حال کو ایک انقلاب کہا جا سکتا ہے جو قانون تشکیل کرنے اور حقوق بحال کرنے کے قابل

ہو؟اس رجیم کے خلاف جد جہد کرنا آئینی ہے یا نہیں ہے؟اور کیا عدالتوں میں یہ بڑے پیمانے کی کرپشن شمار نہ ہوگی جب یہ عدالتیں اُن شہریوں کو جیل بھیجتی ہیں جو ملک کو اس قدر بڑی بدنامی سے نجات دلانے کی کوشش کرتے ہیں؟

کیوبا ایک ظلم اور استبداد میں مبتلا ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آمروں کے خلاف مزاحمت قانونی ہے۔ یہ عالم گیر طور پر ایک تسلیم شدہ اصول ہے اور ہمارا 1940ء کا آئین اُسے واضح طور پر ایک مقدس حق بناتا ہے۔ اس آئین کے آرٹیکل 40 کا دوسرا پیراگراف کہتا ہے: ''پہلے سے عطا کردہ انفرادی حقوق کی حفاظت کے لیے خاطر خواہ مزاحمت استعمال کرنا قانونی ہے''۔ اگر سرزمین کے سپریم لا میں یہ اختیار نہ بھی دیا ہوتا، تو بھی یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے بغیر ایک جمہوری اجتماعیت کی موجودگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پروفیسر انفیسٹا، کانسٹی ٹیوشنل لا پر اپنی کتاب میں سیاسی اور لیگل آئینوں کے درمیان امتیاز کرتے ہوئے کہتا ہے:

''کبھی کبھی لیگل آئین میں ایسے آئینی اصول شامل ہوتے ہیں جو خواہ زیادہ درجہ بند نہ ہوتے ہوں، صرف عوام کی رضامندی کی بنیاد پر مساوی طور پر واجب ہوں گے۔ مثال کے طور پر اکثریت کی حکمرانی کا اصول یا ہماری جمہوریتوں میں نمائندگی کا اصول''۔

جبر کے خلاف بغاوت کا حق اسی طرح کا ایک اصول ہے، اور یہ خواہ لیگل آئین میں شامل ہو یا نہیں، یہ ایک جمہوری معاشرے میں ہمیشہ واجب ہوتا ہے۔ ایک ہائی کورٹ کے سامنے اس طرح کے ایک کیس کا پیش کرنا عمومی قانون کے سب سے دلچسپ معاملات میں سے ایک ہے۔ ڈوگوئٹ نے آئینی قانون پہ اپنی تصنیف میں کہا ہے: ''اگر ایک بغاوت ناکام ہوجائے تو کوئی عدالت یہ حکم دینے کی جرأت بھی نہیں کرے گی کہ یہ ناکام بغاوت ریاست کی سلامتی کے خلاف ٹیکنیکلی ایک سازش نہ تھی، حد سے گزرنا نہ تھا، اگر حکومت آمرانہ ہو تو اس کا تختہ الٹنے کا ارادہ قانونی تھا۔ زیادہ وضاحت کے ساتھ، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عدالت جرأت نہ کرے گی کہ ایک جبر کے تحت کسی عدالت کے پاس ایسا کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ ہاں اگر عدالت بہادر ہے اور اپنی ڈیوٹی کرے، تو پھر، ہاں وہ یہ جرأت کرے گی۔

حال میں 1940ء کے آئین کے بارے میں ایک بلند آہنگ تنازع ہوا۔ ''سماجی اور آئینی حقوق کی عدالت'' نے نام نہاد خاص قانون کے حق میں اُس کے خلاف فیصلہ سنایا۔لیکن پھر بھی، معزز جج، میں اپنی اس بات پہ قائم ہوں کہ 1940ء کا آئین ابھی تک لاگو ہے۔ ہوسکتا ہے میرا بیان آپ کو نامعقول اور بے محل لگے۔مگر حیران مت ہوں؛ یہ میں ہوں جو حیران ہوں کہ ایک عدالت نے ریپبلک کے آئین پہ کاری ضرب لگانے کی کوشش کی ہے۔سختی کے ساتھ حقائق، سچ اور منطق سے جڑے ہوئے (جس طرح کہ میں ہر وقت کرتا آیا ہوں) میں نے جو کچھ ابھی کہا ہے اسے ثابت کروں گا۔ ''سماجی اور آئینی حقوق کی عدالت'' 1940ء کے آئین کے آرٹیکل 174 اور 31 مئی 1949ء کے ایک ضمیمے کے تحت قائم کی گئی تھی۔ ان قوانین نے جن کی برکت سے عدالت تخلیق کی گئی تھی، جہاں تک غیر آئینی ہونے کے معاملات کا تعلق ہے، اسے ایک خصوصی اور تفصیل کے ساتھ وضاحت کردہ علاقہ عطا کیا تھا : اُن اپیلوں کے سارے معاملات میں حکمرانی کرنے کا جو قوانین کے غیر آئینی ہونے، لیگل فرمانوں، قراردادوں یا ایسے اقدامات جو آئینی حقوق اور اختیارات سے انکار، کم، محدود، یا ملاوٹیں کرنے کا مطالبہ کریں۔ آرٹیکل 194 نے بہت واضح طور پر مندرجہ ذیل کو مقرر کیا : ''سارے جج اور عدالتیں ذمہ دار ہیں کہ اُس اصول کی مطابقت میں آئین اور موجود قوانین کے بیچ تضادات کے حل تلاش کریں کہ اول الذکر ہمیشہ ثانی الذکر پر برتر ہوگا''۔ لہٰذا اُن قوانین کے مطابق جنھوں نے اُسے تخلیق کیا، ''سماجی اور آئینی حقوق کے کورٹ'' کو ہمیشہ آئین کے حق میں فیصلے کرنے چاہئیں۔ جب اِس کورٹ نے خاص قانون کو ریپبلک کے آئین پر برتر قرار دیا تو یہ اپنے حدود اور اختیارات کی مقررہ حد سے مکمل طور پر باہر نکلی، چناں چہ ایک ایسا فیصلہ دے دیا جو آئینی طور پر رد اور منسوخ ہے۔ مزید برآں، فیصلہ خود نامعقول ہے اور بے ہودگیوں کا نہ تو قانون میں کوئی جواز ہے اور نہ حقیقت میں، حتیٰ کہ ایک غیر مادی نقطہ نظر سے بھی نہیں۔ ایک عدالت خواہ کتنی ہی محترم کیوں نہ ہو، وہ یہ بات حق پر نہیں قرار دے سکتی کہ دائرے مربع ہیں، یا اسی بات کو ظاہر کرتے ہوئے کہ 4 اپریل کے خاص قوانین کی اولاد آدھے تیتر آدھے بٹیر کو ریاست کا آفیشل آئین سمجھا جائے۔ آئین کو قوم کا

بنیادی اور سپریم لاتصور کیا جاتا ہے، ملک کے سیاسی ڈھانچے، اس کی حکومت کی ایجنسیز کو ریگولیٹ اور باضابطہ بنانے اور ان کی سرگرمیوں کے حدود متعین کرنے کی وضاحت کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔ اسے مستحکم، دیرپا اور ایک حد تک غیر لچک دار ہونا چاہیے۔ خاص قوانین ان خوبیوں میں سے ایک کو بھی پورا نہیں کرتے۔ وہ ان سارے اہم ترین پہلوؤں کے بارے میں ایک دیوہیکل، بے شرم اور بے شرف تضاد رکھتے ہیں : ریپبلکن ڈھانچے اور قومی سالمیت کے اصولوں کے مرکب۔ آرٹیکل ون کہتا ہے : ''کیوبا ایک جمہوری ریپبلک کے بطور تشکیل شدہ ایک خودمختار اور آزاد ریاست ہے''۔ آرٹیکل 2 کہتا ہے'' : اقتدار عوام کی رضا میں رہتا ہے اور سارے اختیارات اسی سرچشمے سے نکلتے ہیں''۔ مگر پھر آرٹیکل 118 آتا ہے جو کہتا ہے : ''صدر کو ایک کابینہ نام زد کرتی ہے''۔ لہٰذا یہ عوام نہیں ہیں جو صدر کو منتخب کریں بلکہ کابینہ ایسا کرتی ہے اور کابینہ کو کون منتخب کرتا ہے، آرٹیکل 120 سیکشن 13: ''صدر کابینہ کے ممبروں کو نام زد اور دوبارہ بھرتی کرنے کا اختیار رکھے گا، اور جب ضرورت پڑی ان کی جگہ پر کسی دوسرے کو تعین کرسکتا ہے''۔ اس طرح، بھلا، کون کس کو نام زد کرتا ہے؟ کیا یہ مرغی اور انڈے کا کلاسیکل قدیم مسئلہ نہیں ہے جسے کبھی بھی کوئی حل نہ کرسکا؟!

ایک روز اٹھارہ غنڈے اکٹھے ہوئے۔ ان کا منصوبہ ریپبلک پر چڑھائی کرنا تھا، اور اس کے 300 ملین پیسو کا سالانہ بجٹ لوٹنا تھا۔ عوام کی پشت کے پیچھے اور بڑی غداری سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ وہ حیران تھے کہ ''اب ہم اور کیا کریں؟'' ایک نے باقیوں سے کہا: ''تم مجھے وزیر اعظم بنادو، اور میں تمھیں جنرلز بنادوں گا''۔ جب ایسا ہوا تو اس نے 20 افراد کا ایک گروپ اکٹھا کیا اور انھیں بتایا: ''تم لوگ مجھے صدر بنادو، میں تم لوگوں کو اپنی کابینہ بنادوں گا''۔ یوں انھوں نے ایک دوسرے کو جنرلز، وزرا اور صدر نام زد کیا اور پھر خزانہ اور ریپبلک پر قبضہ کرلیا۔

مزید برآں، یہ محض ایک خاص وقت پہ اقتدار پہ قبضہ جمانا ایک کابینہ، جنرلز اور ایک صدر نام زد کرنے کا سادہ معاملہ نہ تھا۔ اس شخص نے ان خاص قوانین کے ذریعے نہ صرف قوم کا

حتمی کنٹرول اپنے قبضہ میں لیا بلکہ ہر شہری کی زندگی اور موت کا اختیار بھی۔۔۔ دراصل قوم کے اپنے وجود پہ کنٹرول۔ اس وجہ سے میں یہ بات برقرار رکھتا ہوں کہ ''سماجی اور آئینی حقوق'' نہ صرف غدارانہ، بزدلانہ اور متضاد ہیں بلکہ نامعقول بھی۔

اِن خاص قوانین میں ایک آرٹیکل ہے جس پر زیادہ توجہ نہ دی گئی، مگر وہ ہمیں اس صورت حال میں ایک چابی مہیا کرتا ہے اور اس میں سے ہم فیصلہ کن نتیجے حاصل کر سکتے ہیں۔ میں خصوصاً آرٹیکل 257 میں اُس ترمیم کرنے والے دفعہ کا حوالہ دوں گا جو یوں ہے : کابینہ کے دو تہائی کورم کے ووٹ کے ساتھ اس ''آئینی قانون کی اصلاح کی جا سکتی ہے''۔ یہیں مذاق اپنے عروج تک پہنچتا ہے۔ انھوں نے نہ صرف ایسے عوام پر ایک آئین کو مسلط کرنے کے لیے اقتدار کو استعمال کیا جن عوام سے اُس کی رضا مندی نہیں لی گئی، اور اقتدار کے سب ضروری پہلوؤں کو اپنے قبضے میں لے لیا، یعنی ملک کے بنیادی اور سپریم قانون کو تبدیل کرنے کا اختیار۔ اور وہ پہلے ہی دس مارچ سے اسے کئی بار تبدیل کر چکے ہیں۔ پھر بھی وہ بہت بڑی ڈھٹائی کے ساتھ آرٹیکل 2 میں دعویٰ کرتے ہیں کہ اقتدار عوام کی مرضی میں بود و باش رکھتا ہے اور یہ کہ عوام ساری طاقت کا سر چشمہ ہیں۔ چوں کہ یہ تبدیلیاں کابینہ کی دو تہائی ووٹوں سے لائی جا سکتی ہیں اور کابینہ کو صدر نامزد کرتا ہے، اس لیے کیوبا کو بنانے اور توڑنے کا حق ایک شخص کے پاس ہے۔ ایک شخص جو، مزید برآں، اس سرزمین پہ پیدا ہونے والی ساری مخلوق سے نالائق ترین ہے۔ تو کیا اسے ''سماجی اور آئینی حقوق کی عدالت'' نے قبول کیا تھا؟ اور کیا اس سے جو کچھ نکلتا ہے وہ ضابطہ کے مطابق اور لوکل ہے؟ بہت خوب۔ آپ دیکھیں گے کہ کیا کچھ تسلیم کیا گیا تھا: ''کابینہ کے دو تہائی کورم کے ووٹ سے اس آئینی قانون کی اصلاح کی جا سکتی ہے''۔ اس طرح کا ایک اختیار کوئی حد نہیں مانتا۔ اس اختیار کے تحت کوئی بھی آرٹیکل، کوئی بھی چیپٹر، کوئی سیکشن، حتیٰ کہ پورا قانون تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر آرٹیکل ون کہتا ہے کہ کیوبا ایک آزاد اور خود مختار ریاست ہے جو ایک جمہوری ریپبلک کے بطور مرتب ہے،'' حالاں کہ آج درحقیقت ایک خونی ڈکٹیٹر شپ ہے''۔

''قومی سرحدوں میں جزیرہ کیوبا، آئزل آف پائینز، اور پڑوسی علاقے ... شامل ہیں''....آرٹیکل 257 کے تحت بتستا اوراس کی کابینہ یہ ساری دفعات تبدیل کرسکتی ہے۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ کیوبا اب ایک ریپبلک نہیں ہے بلکہ ایک موروثی بادشاہت ہے اور وہ، یعنی بتستا خود کو بادشاہ مقرر کرسکتا ہے۔ وہ قومی علاقہ ہمارے جسم سے الگ کرسکتا ہے اور ایک صوبہ کسی خارجی ملک کو فروخت کرسکتا ہے جس طرح نپولین نے لوئیسیانا کے ساتھ کیا تھا۔ وہ حتیٰ کہ زندہ رہنے کا حق بھی معطل کرسکتا ہے، اور ہیروڈ کی طرح نوزائیدوں کی گردنیں کاٹنے کا حکم دے سکتا ہے۔ یہ سارے اقدامات قانونی ہوسکتے ہیں اور آپ کو اُن سب کو قید کرنا ہوگا جو اِن اقدامات کی مخالفت کریں، بالکل اسی طرح جس طرح اب آپ میرے ساتھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے انتہائی مثالیں اس لیے پیش کیں تا کہ بتا سکوں کہ ہماری موجودہ حالت کس قدر غم ناک اور ہتک آمیز ہے۔ یہ سمجھنا کہ یہ سارے مطلق اختیارات ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو واقعی ہمارا ملک مع اس کے سارے شہریوں کے فروخت کرنے کے واقعی اہل ہیں۔

جب کہ ''سماجی اور آئینی حقوق کی عدالت'' نے اس صورت حال کو تسلیم کیا ہے تو وہ اور کس بات کا انتظار کررہے ہیں؟ وہ بھی اپنے عدالتی چوغوں سے دست بردار ہوسکتے ہیں۔ یہ عمومی قانون کا بنیادی اصول ہے کہ اُس جگہ کوئی آئینی حالت نہیں ہوسکتی جہاں آئینی اور آئین سازی کے اختیارات ایک ہی گروہ کے پاس ہوں۔ جب کابینہ قانون، فرمان اور رولز بنائے......اور بہ یک وقت ایک لمحے کے اندر آئین کو تبدیل کرنے کا اختیار رکھتی ہو.....تو پھر میں آپ سے پوچھتا ہوں : ہمیں ''سوشل اور آئینی حقوق'' کی ایک عدالت کی کیا ضرورت ہے؟ اس ''خصوصی قانون'' کے حق میں فیصلہ غیر منطقی، ناقابلِ فہم، غیر معقول اور ریپبلکن قوانین سے متضاد ہے، جسے آپ معزز جج صاحبان نے سربلند رکھنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ جب ''سوشل اور آئینی حقوق کی عدالت'' نے آئین کے خلاف بتستا کے ''خصوصی قانون'' کی حمایت کی تو ملک کا سپریم قانون ختم نہ ہوا بلکہ ''سوشل اور آئینی حقوق کی عدالت'' نے خود کو آئین کے باہر رکھ دیا۔ وہ اپنی خودمختاری سے دست بردار ہوئی، اور لیگل خودکشی کرلی۔ خدا اُس کی مغفرت کرے۔

آئین کے دفعہ 40 میں متعین بغاوت کرنے کی آزادی ابھی تک درست ہے۔ کیا اسے اُس وقت کے لیے بنایا گیا جب ریپبلک نارمل حالات میں ہو؟ نہیں۔ یہ دفعہ آئین کے لیے ایسی ہے جیسے سمندر میں ایک بحری جہاز کے لیے لائف بوٹ ہوتا ہے۔ لائف بوٹ کو صرف اسی وقت استعمال کیا جاتا ہے جب بحری جہاز کو اپنے سفر کے دوران انتظار میں بیٹھے دشمن تارپیڈو کر چکے ہوں۔ جب ہمارے آئین سے غداری کی گئی اور عوام کو ان کے سارے اختیارات سے محروم کیا گیا تو ایک ہی راستہ بچا تھا: ایک حق جسے کوئی طاقت ختم نہیں کرسکتی۔ جبر اور ناانصافی کی مزاحمت کا حق۔ اگر کوئی شک رہتا ہے تو سوشل ڈیفنس کوڈ میں ایک دفعہ ہے جسے اگر معزز پراسیکیوٹر نہ بھولتا تو اچھا کرتا۔ وہ یوں ہے، میں حوالہ دیتا ہوں: ''مقرر کردہ یا منتخب حکومت کے اہلکار جو سارے میسر ذرائع کے ساتھ بغاوت کی مزاحمت کرنے میں ناکام رہتے ہیں، وہ چھ سے آٹھ سال کی معطلی کی سزا کے مستحق ہوتے ہیں''۔ ہماری قوم کے ججوں پر 10 مارچ کے بتستا کے غدارانہ فوجی کودتا کی مزاحمت کرنے کی ذمہ داری تھی۔ یہ بات قابلِ فہم ہے کہ جب کسی نے بھی قانون کی پاس داری نہ کی اور جب کسی اور نے اپنی ڈیوٹی نہ کی، تو جنہوں نے قانون کی پاس داری کی اور اپنی ڈیوٹی کی تو انھیں جیل بھیجا جائے۔

آپ اس بات سے انکار نہیں کرسکتے کہ قوم پر مسلط رجیم کیوبا کی تاریخ کے لیے بے وقار ہے۔ مانٹسکو اپنی کتاب ''قوانین کی روح'' میں، جو کہ حکومتی اقتدار کی ماڈرن تقسیم کی بنیاد ہے، حکومت کی تین قسموں میں اُن کی بنیادی فطرت کے مطابق ایک امتیاز قائم کرتا ہے: ''ریپبلک کی قسم جس کے اندر سے پورے عوام یا ایک حصے کے پاس اقتدار اعلیٰ ہوتی ہے؛ بادشاہی طرز جس میں صرف ایک شخص حکومت کرتا ہے، مگر فکس اور اچھی طرح واضح قوانین کی مطابقت میں اور استبدادی صورت جہاں ایک شخص قوانین اور اصولوں کے بغیر اپنی مرضی اور موج کے مطابق حکومت چلاتا ہے''۔ وہ پھر اضافہ کرتا ہے: ''ایک شخص جس کے پانچوں حواس مسلسل اُسے بتاتے رہتے ہیں کہ وہی سب کچھ ہے اور یہ کہ بقیہ انسانیت کچھ بھی نہیں ہے تو لازمی ہے کہ وہ سست، جاہل اور ہوس پرست ہوگا''۔ ''جس طرح کہ جمہوریت کے لیے خیر لازمی ہے، اور ایک

بادشاہت کے لیے دہشت، اسی طرح آمرانہ رجیم کے لیے خوف ضروری ہوتا ہے، جہاں خیر کی ضرورت نہیں ہوتی اور وقار خطرناک ہوتا ہے''۔

معزز جج صاحبان! استبداد کے خلاف بغاوت کا حق عہدِ قدیم سے لے کر آج تک سارے عقیدوں، نظریات اور تعلیمات کے لوگ تسلیم کرتے چلے آ رہے ہیں۔

بہت قدیم مذہبی بادشاہتوں میں بھی ایسا ہی تھا۔ چین میں تو یہ تقریباً ایک آئینی اصول تھا کہ جب ایک بادشاہ گستاخی اور جبر سے حکمرانی کرے تو اس کو برطرف کیا جانا چاہیے اور اس کی جگہ پہ ایک خیر والے شہزادے کو بٹھایا جائے۔ قدیم انڈیا کے فلاسفروں نے خود سر اتھارٹی کے خلاف سرگرم مزاحمت کے اصول کو جائز قرار دیا۔ انھوں نے انقلاب کو برحق کہا اور وہ اکثر اپنی تھیوریوں کو عملی بناتے تھے۔ ان کے ایک روحانی لیڈر نے کہا تھا کہ اکثریت کی رائے خود بادشاہ سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ بہت ساری ڈوریوں سے بُنی ہوئی ایک رسی ایک شیر کو قابو کرنے میں کافی ہوتی ہے''۔ یونان اور ریپبلکن روم کی شہری ریاستوں نے آمروں کے لیے متشدد موت کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اس کا دفاع کیا۔

ازمنہ وسطیٰ میں ''مدبر کی کتاب'' نامی اپنی کتاب میں جان سالسبری کہتا ہے کہ جب ایک شہزادہ قانون کے مطابق حکم رانی نہ کرے اور سڑ کر ایک آمر بن جائے تو اس کا متشدد تختہ الٹنا جائز اور قانونی ہے۔ وہ آمروں کے لیے زہر کے بجائے خنجر استعمال کرنے کی سفارش کرتا ہے۔ سینٹ تھوماس اکوئیناس ''سوما تھیالوجیکا'' کے اندر ظالم کُشی کے ڈاکٹرائن کو مسترد کرتا ہے اور پھر بھی اُس تھیسز کو سربلند کرتا ہے کہ عوام کی طرف سے آمروں کا تختہ الٹ دینا چاہیے۔

مارٹن لوتھر نے اعلان کیا کہ جب ایک حکومت ایک جبر میں سڑ کر قوانین کی خلاف ورزی کرے، تو اس کی رعایا فرماں برداری کی اپنی ذمہ داریوں سے آزاد ہوجاتے ہیں۔ اس کے شاگرد فلپ میلنکٹن مزاحمت کے حق کو برقرار رکھتا ہے جب حکومتیں آمرانہ ہوجائیں۔ ریفارمیشن کا ممتاز مفکر کالوِن سیاسی نظریات کے بارے میں کہتا ہے کہ عوام کسی طرح کی دست درازی کی مخالفت میں اسلحہ اٹھانے کا حق رکھتے ہیں۔

فلپ دوم کی حکمرانی میں ایک سپینی قانون دان جوآن ماریانا جیسے بڑے آدمی نے اپنی کتاب ''ڈی ریگاٹ ریگس انسٹی ٹیوشنے'' میں زور دیا کہ جب ایک حکم ران اقتدار پر قبضہ کرے یا خواہ وہ منتخب کردہ ہو اور جب وہ ایک استبدادی طریقے سے حکومت کرے تو یہ ایک پرائیویٹ سٹیزن کے لیے ڈائریکٹ یا پھر عذر بہانے کے ذریعے کم سے کم ممکنہ مزاحمت کے ظالم کُشی جائز ہے۔

فرانسیسی مصنف فرانسکوئس ہاٹ مین نے لکھا کہ حکومت اور اس کی رعیت کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے اور یہ کہ جب حکومت اُس معاہدے کی خلاف ورزی کرتی ہو تو عوام حکومت کے جبر کے خلاف بغاوت میں اٹھ سکتے ہیں۔

تقریباً اسی زمانے میں ایک بہت ہی زیادہ پڑھا جانے والا کتابچہ ''وِنڈیشیا کنٹرا ٹائرا نوس'' منظرِ عام پر آیا اور اس کے مصنف کا نام سٹیفنوس جونیوس برولّس تھا۔ اس نے کھلے عام اعلان کیا کہ جب حکمران عوام کو دبائیں تو حکومت کے خلاف مزاحمت کرنا جائز ہو جاتا ہے اور اس جدوجہد کی قیادت کرنا معززجوں کا فرض بن جاتا ہے۔

سکاٹش اصلاح پسندوں جان نوکس اور جان پوئے نٹ کا بھی یہی نقطۂ نظر تھا۔ اور اُس تحریک کی سب سے اہم کتاب میں جان بوچانان نے لکھا تھا کہ اگر ایک حکومت نے عوام کی رضامندی کا خیال رکھے بغیر اقتدار پر قبضہ کر لیا یا اگر ایک حکومت اُن کی تقدیروں پر ایک غیر منصفانہ یا من پسند طریقے سے حکمرانی کرے تو وہ حکومت ایک آمریت بن جاتی ہے اور اسے اقتدار سے باہر کیا جا سکتا ہے، یا ایک آخری تدبیر میں اس کے راہنماؤں کو قتل کیا جا سکتا ہے۔

اوائل سترہویں صدی کے جرمن قانون دان جون آلتھس نے سیاست پہ اپنی تصنیف میں کہا کہ ریاست کی سپریم اتھارٹی کے بطور اقتدار اُس کے سارے ممبروں کی رضاکارانہ خواہش اور مرضی سے پیدا ہوتی ہے؛ یہ کہ حکومتی اتھارٹی اُس کے عوام سے پھوٹتی ہے اور یہ کہ اس کی غیر منصفانہ، غیر قانونی یا استبدادی آمر اُس عوام کو فرماں برداری کے فریضے سے استثنیٰ دیتا ہے اور مزاحمت یا بغاوت کو جائز قرار دیتا ہے۔

لٰہذا، معزز جج صاحبان! میں نے قدیم تصانیف سے مثالیں دی ہیں، ازمنہ وسطیٰ سے، اور ہمارے وقتوں کی شروعات سے۔ میں نے یہ مثالیں سارے عقیدوں کے مصنفین سے منتخب کی ہیں۔ مزید برآں، آپ دیکھ سکتے ہیں کہ بغاوت کا حق کیوبا کے بطور قوم وجود کی جڑ میں موجود ہے۔ اس کی برکت سے آپ کیوبا کے ججوں کے لباس میں نمودار ہونے کے قابل ہیں۔ کاش وہ لباس انصاف کے کاز کی خدمت کے لیے استعمال ہوں!

یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ سترہویں صدی میں انگلینڈ کے اندر دو بادشاہوں چارلس اول اور جیمز دوم کے تخت آمریت کی وجہ سے الٹ دیے گئے۔ یہ اقدامات لبرل سیاسی فلسفہ کی پیدائش کے وقت ہوئے اور انھوں نے ایک نئے سماجی طبقے کے لیے نظریاتی بنیادیں فراہم کیں، جو اُس وقت جاگیرداری کی زنجیریں توڑنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ آمریتوں کے خلاف اس نئے فلسفے نے سماجی معاہدے کے اصول اور اُن لوگوں کی رضامندی کے اصول کو سربلند کیا جن پر حکم رانی کی جارہی تھی، اور اِس نے 1688ء کے برطانوی انقلاب، 1775ء کے امریکی انقلاب اور 1789ء کے فرانسیسی انقلاب کی بنیاد رکھی۔ ان عظیم انقلابی واقعات نے ''نئی دنیا'' (اس زنجیر کی آخری کڑی کو کیوبا میں توڑ دیا گیا) میں سپین کی نوآبادیوں کی آزادی میں بڑا کردار ادا کیا۔ اس نئے فلسفہ نے خود ہمارے سیاسی نظریات کی پرورش کی اور ہمیں ہمارے آئینوں کو ترتیب دینے میں مدد دی (گوئی مارو کے آئین سے لے کر 1940ء کے آئین تک)۔ آخرالذکر ہمارے عہد کے سوشلسٹوں سے متاثر ہوا؛ ملکیت کے سماجی فنکشن کے اصول اور ایک شائستہ زندگی کے انسان کے ناقابلِ انتقال حق کے اصول اس میں ڈال دیے گئے، گو کہ وسیع ذاتی مفادات نے اُن حقوق کو مکمل طور پر لاگو کرنے سے روکا۔ آمریت کے خلاف بغاوت کا حق پھر اپنے آخری احترام اور وہ سیاسی آزادی کا ایک بنیادی کرایہ دار ہو گیا۔

بہت پیچھے 1649ء میں جان ملٹن نے لکھا کہ سیاسی اقتدار عوام کے پاس ہوتا ہے، جو بادشاہوں کو بنا اور ہٹا سکتے ہیں اور آمروں کا تختہ الٹنا اُن کا فریضہ ہے۔

جان لاک نے حکومت پہ اپنے مضمون میں لکھا کہ جب انسان کے فطری حقوق کی

خلاف ورزی ہو، تو لوگوں کو اس حکومت کو تبدیل کرنے یا ختم کرنے کا حق ہے اور ان پر فرض ہے۔ناجائز طاقت کے خلاف ' واحد علاج طاقت کے زور پر اس کی مخالفت ہے''۔ ژاں یاک روسو نے اپنے ''سماجی معاہدہ'' میں بڑی خوش بیانی سے کہا : ''جس وقت ایک عوام خود کو زور سے فرماں برداری کرانے دیکھتے ہیں اور فرماں برداری کرتے ہیں، تو یہ ٹھیک کرتے ہیں؛ مگر جس وقت یہ جوئے کو اکھاڑ پھینک سکتے ہیں اور اسے اکھاڑ پھینکتے ہیں، تو یہ اُس سے اچھا کرتے ہیں، اُسی حق کو استعمال کرتے ہوئے اپنی آزادی دوبارہ حاصل کرتے ہیں جو اُن سے چھین لی گئی ہوتی ہے''۔ ''مضبوط ترین شخص ہمیشہ کے لیے مالک بننے کے لیے مضبوط نہیں ہوتا، ماسوائے اِس کے وہ طاقت کو حق میں نہ بدلے اور فرمانبرداری کو فرض میں۔ طاقت ایک طبعی قوت ہوتی ہے؛ مجھے اس کے استعمال سے کوئی اخلاقیات نکلتی نظر نہیں آتی۔ طاقت کے سامنے جھکنا ضرورت کا ایک اقدام ہے، نہ کہ رضا کا۔ اس کو کس طرح ایک ڈیوٹی کہا جا سکتا ہے؟''، ''آزادی سے دست بردار ہونا ایک انسان کی حیثیت سے خود سے دست بردار ہونا ہے، اپنے انسانی حقوق سے دست بردار ہونا ہوتا ہے، بشمول اپنے فرائض کے۔ ہر چیز سے دست بردار ہونے کے لیے کوئی ممکنہ مداوا نہیں ہے۔ ٹوٹل دست برداری انسان کی فطرت کے خلاف ہے اور سارے آزاد ارادے کو چھین لینا سلوک کی ساری اخلاقیات چھین لینے کے مترادف ہے۔ المختصر، ایک مطلق اتھارٹی کو تسلیم کرنا ایک طرف بے حقیقت اور متضاد ہے اور دوسری طرف ایک لا محدود تابعداری...''۔ تھامس پین نے کہا، ''ایک منصف مزاج آدمی ایک تاج بردار بدمعاش سے زیادہ عزت کا حق دار ہے''۔

بغاوت کرنے کے عوام کے حق کی مخالفت صرف ورجینیا کی جماعتِ کلیسا ممبر جونیتھن باوچر جیسے رجعتی لوگ کرتے رہے ہیں جس نے کہا : ''بغاوت کرنے کا حق ایک قابلِ احتساب ڈاکٹرائن ہے جو بابائے بغاوتات لوسی فر سے اخذ کیا گیا ہے''۔ چار جولائی 1776ء کے فلیڈیلفیا کانگریس کے اعلانِ آزادی نے ایک خوب صورت پیرا گراف میں اس حق کو تقدس بخشا۔ اس میں لکھا ہے: ''ہم اِن سچائیوں کو آشکار سمجھتے ہیں کہ سارے انسان برابر پیدا ہوئے ہیں، کہ اُن

کے خالق کی طرف سے انھیں کچھ ناقابلِ انتقال حقوق سے نوازا گیا ہے، جن میں سے ہیں زندگی، آزادی اور خوشی کا حصول؛ کہ ان حقوق کے حصول کے لیے انسانوں میں حکومتیں قائم کی گئی ہیں جو اپنے منصفانہ اختیارات اُن لوگوں کی رضا سے حاصل کرتے ہیں جن پر وہ حکومت کرتی ہیں؛ کہ جس وقت بھی حکومت کی کوئی بھی شکل اِن مقاصد کے لیے تباہ کن ہو جائے تو عوام کو اسے بدلنے یا ختم کرنے کا حق ہے اور ایسے اصولوں کی بنیاد پر اور اس کے اختیارات اس شکل میں منظم کر کے ایک نئی حکومت قائم کرنے کا حق ہے جو اُن کے خیال میں اُن کی حفاظت کرنے اور مسرت کو پیدا کرنے میں سب سے مناسب لگے"۔

فرانس کے مشہور زمانہ "انسان کے حقوق کا اعلان نامہ" میں آنے والی نسلوں کو اِس اصول کی وصیت کی گئی تھی: "جب حکومت عوام کے حقوق کی خلاف ورزی کرے تو اُن کے لیے مقدس ترین حقوق میں سے ایک حق بغاوت کا حق ہے اور یہ سب سے اہم فرائض میں سے ایک ہے"۔ "جب کوئی شخص اقتدار پر قبضہ کرتا ہے تو اسے آزاد انسانوں کی طرف سے موت کی سزا دینی چاہیے"۔

میرا خیال ہے کہ میں نے اپنے مؤقف پر اچھی طرح سے دلائل دیے ہیں۔ میں اُن سے زیادہ دلائل سامنے لایا جو معزز پراسیکیوٹر مجھے 26 سال کی سزا دینے کے لیے لایا تھا۔ یہ سارے دلائل اُن انسانوں کی حمایت کرتے ہیں جو عوام کی آزادی اور مسرت کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ ان دلائل میں سے کوئی بھی اُن لوگوں کی حمایت نہیں کرتی جو عوام کو محکوم بناتے ہیں، انھیں دُشنام دیتے ہیں اور سنگ دلی سے انھیں لوٹتے ہیں۔ چناں چہ میں نے بہت سے دلائل پیش کیے ہیں اور میں ایک کو بھی غیر اہم نہیں سمجھ سکتا۔ بتستا کی اقتدار میں موجودگی کا کس طرح جواز پیش کیا جا سکتا ہے جسے اس نے عوام کی رضا کے خلاف حاصل کیا اور دغا بازی اور طاقت کے استعمال سے ریپبلک کے قوانین کی خلاف ورزی کی۔ خون، محکومی اور بدنامی کے ایک رجیم کو کس طرح قانونی کہا جا سکتا ہے؟ ایک ایسی رجیم کو کس طرح انقلابی کہا جا سکتا ہے جس نے پسماندہ ترین افراد، پسماندہ ترین طریقے اور پبلک لائف کے پسماندہ ترین خیالات اپنے گرد جمع کیے

ہوں؟ ایک کورٹ کی غداری کو کس طرح قانونی طور پر درست قرار دیا جاسکتا ہے جس کا فریضہ آئین کا دفاع کرنا تھا؟ عدالتیں کس اتھارٹی سے اُن شہریوں کو جیل بھیجتی ہیں جنھوں نے خود اپنا خون دے کر، اپنی زندگیاں دے کر اپنے ملک کو نجات دلانے کی کوشش کی؟ یہ سب کچھ اصل انصاف کے اصولوں اور قوم کی نگاہوں میں وحشیانہ ہے!

ابھی تک باقیوں سے زیادہ طاقت ور ایک دلیل ہے۔ ''ہم کیوبا کے شہری ہیں اور کیوبا کے تمام شہریوں پر ایک فرض عائد ہوتا ہے۔ اس فرض کا ادا نہ کرنا جرم ہے، غداری ہے۔ ہمیں اپنے ملک کی تاریخ پر فخر ہے''؛ ہم نے یہ سکول میں پڑھا اور آزادی، انصاف اور انسانی حقوق کے بارے میں سنتے سنتے بڑے ہو گئے۔

ہمیں پڑھایا گیا کہ ہم اپنے ہیروؤں اور نمیرانوں (شہیدوں) کی شان دار مثالوں کا احترام کریں۔ سسس پیڈیز، ایگرامونٹے، ماسیو، گومیز، اور مارٹی وہ اولین نام ہیں جو ہمارے دماغوں میں کندہ کیے گئے۔ ہمیں پڑھایا گیا کہ تائتان نے ایک بار کہا تھا کہ آزادی کی بھیک نہیں مانگی جاتی بلکہ یہ گنا کاٹنے والی کارچ کی دھار سے جیتی جاتی ہے۔ ہمیں پڑھایا گیا تھا کہ کیوبا کے آزاد شہریوں کی راہ نمائی کے لیے دآنا نے اپنی کتاب ''سنہرا زمانہ'' میں لکھا : ''وہ شخص جو غیر منصفانہ قوانین کی تابع داری کرتا ہے اور جس ملک میں پیدا ہوا اُس ملک کو کسی کو پیروں تلے روندنے اور بدسلوکی کرنے کی اجازت دیتا ہے تو وہ ایک باوقار انسان نہیں ہے۔ ... دنیا میں وقار کی بس ایک حد ہونا لازمی ہے، بالکل اُسی طرح جس طرح روشنی کی ایک مقدار ہونا لازم ہے۔ جب بہت سے لوگ بغیر وقار کے ہوں، تو وہاں اور لوگ موجود ہوں گے جو خود اپنے اندر بہت سے لوگوں کا وقار رکھیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے خلاف عظیم قوت سے بغاوت کرتے ہیں جو عوام کی آزادی چُراتے ہیں، یعنی اُن لوگوں کے خلاف جو خود وقار چراتے ہیں۔ اُن لوگوں میں ہزاروں اور موجود ہیں، ایک پوری قوم موجود ہے، انسانی وقار موجود ہے...''۔ ہمیں پڑھایا گیا تھا کہ 10 اکتوبر اور 24 فروری قومی جشن کی شان دار سالگرہیں ہیں اس لیے کہ یہ اُن دنوں کی نشانیاں ہیں جن میں کیوبائیوں نے بے نام استبداد کے خلاف بغاوت کی تھی۔ ہمیں واحد

ستارے والے محبوب پرچم کی پرورش کرنے اور اس کا دفاع کرنے کا سبق دیا گیا تھا اور ہر سہ پہر ہمارے قومی ترانے کے یہ بول گانے کا سبق دیا گیا تھا: ''زنجیروں میں زندہ رہنا بے عزتی ،ذلت اور رسوائی میں زندہ رہنا ہے'' اور ''اپنی سرزمین کی خاطر مرنا ہمیشہ کے لیے زندہ رہنا ہے ''۔ یہ سب ہم نے سیکھا اور انھیں ہم کبھی نہ بھولیں گے۔ گو کہ آج ہماری سرزمین میں اُن لوگوں کے لیے موت اور جیل ہے جو اُس تصور پر عمل کرتے ہیں جو انھیں پنگھوڑے کے وقت سے پڑھایا گیا ہے۔ ہم ایک آزاد ملک میں پیدا ہوئے تھے جو ہمارے والدین نے ہمیں ورثے اور وصیت میں دیا تھا اور اس سے پہلے کہ ہم کسی اور کے غلام بن جانے کی رضامندی دے دیں یہ جزیرہ سمندر میں ڈوب جائے گا۔

ایسے لگتا تھا کہ دانا اپنے سو برس کے دوران مر جائے گا۔ لگتا ہے کہ اس کی یاد ہمیشہ کے لیے بجھ جائے گی۔ اتنا شان دار تھا مقابلہ! مگر وہ زندہ ہے؛ وہ نہیں مرا۔ اس کے عوام باغی ہیں۔ اس کے لوگ لائق ہیں۔ اس کے لوگ اس کی یاد سے وفادار ہیں۔ ایسے کیوبائی ہیں جو اس کی تعلیمات کا دفاع کرتے ہوئے مارے گئے۔ ایسے نوجوان ہیں جو عظیم الشان بے لوثی میں اس کے مقبرے کے ساتھ مرنے آئے، اپنا خون اور اپنی زندگی دینے تا کہ وہ اپنی قوم کے دل میں زندہ رہے۔ کیوبا تیرا کیا بنتا اگر تُو اپنے دانا کو مرنے دیتا؟!

میں اپنے دفاع کی درخواست کو ختم کرتا ہوں۔ مگر میں اسے اُس طرح ختم نہیں کروں گا جس طرح وکیل عموماً کیا کرتے ہیں۔ وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ملزم کو رہا کیا جائے۔ مگر میں اپنے لیے آزادی کا نہیں کہہ سکتا جب کہ میرے کامریڈ آئزل آف پائنز کی رسوائے زمانہ جیل میں مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ مجھے وہاں اُن کے پاس بھیج دیں اور اُن کی تقدیر کا حصہ بننے دیں۔ یہ قابلِ فہم بات ہے کہ ایمان دار لوگ ایک ایسی ریپبلک میں مر جائیں یا جیل میں ہوں جہاں صدر ایک مجرم اور ایک چور ہو۔

میں آپ معزز ججوں کو مخلصانہ تشکر پیش کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے ہتک آمیز پابندیوں کے بغیر اپنی بات بیان کرنے کی اجازت دی۔ میں آپ لوگوں کے خلاف کوئی تلخی نہیں رکھتا۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ کچھ پہلوؤں میں آپ ملائم اور نرم رہے ہیں، اور میں صرف یہ جانتا ہوں کہ اس عدالت کا چیف جج، جو کہ بے خطا نجی زندگی کا شخص ہے، موجودہ صورت حال پر اپنی کراہت کو روپ بدل کر چھپا نہیں سکتا جو اُسے غیر منصفانہ فیصلے لکھوانے پر مجبور کرتی ہے۔ ابھی تک کورٹ آف اپیلز کے لیے ایک سنجیدہ مسئلہ بھی موجود ہے : ستر آدمیوں کے قتل سے ابھرنے والے استغاثے کا مسئلہ، یعنی ہماری معلومات میں سب سے بڑا قتلِ عام۔ قصوروار ابھی تک آزاد ہیں اور ہتھیار اُن کے ہاتھ میں ہیں... ہتھیار جو سارے شہریوں کی زندگیوں کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ اگر بزدلی کی وجہ سے یا عدالتوں کی فرماں برداری کی وجہ سے سارے جج استعفیٰ نہیں دیتے تو مجھے آپ کے وقار پر ترس آئے گا۔ اور میں اُس بے مثال شرم پہ پشیمان ہوں گا جو جوڈیشل طاقت پر گرے گی۔

''میں جانتا ہوں کہ جیل مجھ پر سخت کردی جائے گی، اس قدر کہ پہلے کسی پر بھی نہ کی گئی ہوگی۔ یہ قید بزدلانہ دھمکیوں اور گھناؤنے مظالم سے بھری قید ہوگی۔ مگر مجھے جیل سے کوئی ڈر نہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ مجھے اس تباہ حال آمر کے طیش سے کوئی ڈر نہیں جس نے میرے ستر ساتھیوں سے اُن کی زندگیاں چھین لیں۔ مجھے سزا دو۔ اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ تاریخ مجھے بری کردے گی''۔

. . .اور عدالت نے سزا دی،

تاریخ نے بری کر دیا!

(اِس فقرے نے اب تو ایک ضرب المثال کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔اور فیڈل کاسٹرو کا نام آتے ہی ذہن میں اُس کا یہ تاریخی فقرہ گونج جاتا ہے)۔

بے انصافی کی فیکٹری، یعنی عدالت نے فیڈل کو پندرہ برس تک کے لیے قید تنہائی کی سزا دی۔(1) جیل جو انقلابی کی لازمی مگر ظالم ساتھی ہوتی ہے۔جیل، جہاں انسانیت کی آخری رمق تک نچوڑ پھینکنے کی نیت ہوتی ہے، جہاں فرسٹریشن کا ڈائنوسار پلتا ہے۔جیل جہاں حمیت، غیرت اور ایمان کا پل پل امتحان ہوتا ہے۔

کیوبن انقلابی، جیل میں گم نام اور بے توجہی کا شکار گھڑیاں جھیل رہے تھے کہ فروری 1954ء کے ایک روز جیل کے گارڈز نے بتایا کہ اُس روز انھیں اپنے سیل کے اندر ہی رہنا ہے۔ قیدی حیران تھے کہ ماجرا کیا ہے۔ بہت اچھا انقلابی جو آن المیدا اپنے ایک ساتھی کے کندھوں پر چڑھ کر سلاخوں والی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔اس نے ساتھیوں کو بتایا کہ کوئی بڑا افسر جیل کے دورے پر ہے۔''ارے یہ تو خود بتستا ہے''۔اُس نے کہا۔وہ جیل کا دورہ کررہا تھا۔انقلابی قیدی اُس کا مُسر خراب کرنے پہ تل گئے اور عین اُس وقت جب وہ واپس جانے کو تھا چھبیس شہہ زور اور توانا مردانہ آوازیں''آزادی کا مارچ'' نامی وہ ترانہ شدت سے گانے لگیں جو انھوں نے مونکیڈا ریڈیو پر قبضہ کے وقت تیار کیا تھا۔بتستا صاحب یہ سوچتے ہوئے شان سے رک گیا کہ شاید کھڑکی سے آنے والا ترانہ اُس کے استقبال کے لئے تھا۔مگر اُس کی مسکراہٹ تو فوت ہی ہوگئی جب اُس نے یہ الفاظ سنے:

ایک آئیڈیل کی طرف مارچ کرتے ہوئے
ہمیں یقین ہے فتح کا
امن اور خوش حالی بڑھانے کا
ہم جدو جہد کریں گے تا کہ آزادی جیت جائے

آگے بڑھو سب کیوبائیو

شالا کیوبا ہماری بہادری سے مستفید ہو

ہم متحد سپاہی ہیں، لڑ رہے ہیں کہ ہمارا ملک آزاد ہو

ہمارے ہتھیار اُس بدی کو تباہ کر رہے ہیں

جس نے ہماری مصیبت بھری سرزمین کو

برباد کر کے رکھ دیا

غلط، ناپسندیدہ حکم رانوں اور ظالم جابروں کی بدی کو

جنھوں نے ہمیں گندے دلدل میں لا گھسیٹا ہے......(2)

اور یوں دورے پر آیا ہوا، کروفر سے بھرا ہوا، کیوبا کا فوجی آمر منہ میں جھاگ اڑاتا ہوا واپس تشریف لے گیا۔ ان 26 کڑکدار آوازوں والے قوالوں کو سزا تو ملنی تھی، انھیں قید تنہائی دی گئی۔ ترانہ لکھنے والے ڈیاز کارتایا کی خدمت البتہ تنہائی کے علاوہ بھی کی گئی۔ اُس رات چار گارڈ اس کے سیل میں داخل ہوئے اور اُس پر چڑھ دوڑے۔ انھوں نے ''مجھے ننگا کیا، گائے بیلوں والے کوڑوں سے مجھے مارا، مجھ پر لاتوں کی بارش کر دی اور ہر جگہ گھونسے مارے''۔(3)

اس جیل میں کاسترو نے خود بھی خوب پڑھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی خوب پڑھایا۔ کاسترو کی قیدِ تنہائی کا سیل کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے مطالعہ میں خود کو غرق کر دیا۔ ''میں نے دنیا کی ہر چیز بھلا دی اور دوبارہ نئی اور کارآمد چیزوں کی پڑھائی پر توجہ دی''۔ سترہ روزہ قیدِ تنہائی کے بعد اس نے لکھا ''میرے پاس ابھی تک روشنی نہیں ہے۔.....مگر کل رات محض تاریکی اور تنہائی ہی نہ تھی بلکہ بارش بھی تھی۔.....میں نے اپنی کتابیں بچانے کے لیے ہر وہ کوشش کی جو میں کر سکتا تھا۔ انھیں سوٹ کیس میں ڈال دیا اور اس پر کمبل لپیٹ دیا۔ میرا سارا بستر بھیگ چکا تھا، فرش پر پانی بھر گیا، اور سردی اور ہوا ہر جگہ سے اندر داخل ہو رہی تھی''۔

اس نے اپنی ایک دوست کو لکھا: ''میں احتیاط اور سکون سے سپینی، فرانسیسی اور روسی ادب سے بہترین کتابیں منتخب کروں گا۔...میں سیاسی معیشت اور سوشل سائنسز کے خشک اور

ناقابلِ فہم شعبوں سے نمٹوں گا۔۔۔ پندرہ سالہ جیل میں ہم ایک بہتر دنیا کے بارے میں سوچتے ہوئے خود کو بہت بہتر بنائیں گے۔۔۔میں نے کانٹ کے ساتھ اچھا خاصا سر کھپانے کے بعد مارکس کو پیٹر نوسٹرم سے زیادہ آسان پایا۔۔۔وہ اور لینن دونوں کے پاس ایک طاقت ور مناظراتی رجحان تھا اور میں اُن کے ساتھ عمدہ وقت گزار رہا ہوں، مطالعہ کے دوران ہنستا اور لطف اندوز ہوتا ہوں۔۔۔''۔

اس نے یہاں پر تھامس مور کا ''یوٹوپیا'' پڑھا، ٹالسٹائی، آسکر وائلڈ، شیکسپیئر۔۔۔اور اپنے محبوب مصنف دوستوئفسکی کو پڑھا، اسی طرح ترگنیف، بالزاک، فرائڈ پڑھے، رامیرو گوئیترا کی ''کیوبائی قوم کی تاریخ'' کی دس جلدیں پڑھ لیں۔اس نے اپنی پسندیدہ تاریخی شخصیت بولیوار کی سوانح عمری پڑھی''۔(4)

اس نے ''مطالعاتی گروپ'' ایجاد کیا۔اپنے قتل شدہ کامریڈ کی یاد میں اِن قیدیوں نے ''ابیل سنٹامار یا نظریاتی اکیڈمی'' قائم کی۔اس اکیڈمی کے پاس محض ایک تختہ سیاہ تھا اور لکڑی کی بنچیں تھیں جن پر وہ کھانا کھاتے تھے۔مگر اس بہانے وہ روزانہ سیاسی معیشت، ادبی تصانیف اور مشہور واقعات پر مباحثے اور لیکچر منعقد کرتے تھے۔(5) یہیں اس نے مارکسزم پہ گویا عبور حاصل کرلیا۔جیل کے اندر کارل مارکس کی لکھی شہرۂ آفاق تصنیف ''سرمایہ'' اس کے زیر مطالعہ رہی۔آپ حیران رہ جائیں گے کہ دنیا میں صرف دو اشخاص ایسے ہیں جنھوں نے تین ضخیم جلدوں پر مشتمل مارکس کی تصنیف ''کیپٹل'' صرف مارکسزم سیکھنے کے لیے نہیں پڑھی بلکہ کچھ دیگر مقاصد کے لیے بھی یہ عظیم تصنیف پڑھی۔ایک تو فیڈل ہے جس نے یہ کتاب اس لیے خریدی کہ ایک تو اس اہم تصنیف کا مطالعہ کر سکے اور دوسرا اس لیے بھی کہ اِس کتاب کی مدد سے وہ انگریزی زبان پہ بھی عبور پائے۔''انگریزی بہتر بنانے کے لیے مارکس کا کیپٹال خریدنا!'' ہے ناں عجب بات!! اور ''کیپٹل'' پڑھنے سے کاسترو کی انگریزی بہتر ہو بھی گئی۔واضح رہے کہ کاسترو کی انگریزی بہت اچھی تھی۔بقول گارشیا مارکیز: ''وہ رکتی ہوئی مگر اکثر، دل کش انداز میں خوش الحان انگلش بولتا ہے''۔(6)

دوسرا شخص شاید میں تھا۔واضح رہے کہ میں نے ''کیپٹل'' بہت دیر میں پڑھی، جب

میں بہت عرصہ پہلے ہی نظریہ اور تنظیم کے اعلیٰ درجوں پر فائز احباب کی نظروں کا تارا بن چکا تھا۔ میں نے ''کیپٹل'' کو مارکس کا نظریہ سیکھنے سے زیادہ اِس نیت سے پڑھا کہ مارکس نے معیشت جیسے خشک مضمون کو ایک ادبی شاہ کار کس طرح بنا ڈالا۔ جی ہاں۔ ''کیپٹل'' کو پڑھنے کے لیے مجھے پوری سردیاں لگیں۔ مگر میں نے اس کے ہر ہر فقرے سے لطف اٹھایا۔ اس کے پڑھنے کے بعد بھی، معیشت کے بارے میں میرا مبلغ علم ایک ٹکہ بھی نہ بڑھا۔ مگر ادبی چاشنی ایک ایک سطر میں موجود تھی، میں خوب محظوظ ہوا۔

یہیں اس نے وکٹر ہیوگو کا ناول ''لامزریبل'' بھی پڑھ لیا (میرا دعویٰ ہے کہ کسی کو انسان بنانے کے لیے یہی ایک کتاب ہی کافی ہے!!)۔ اور وہ بہ یک وقت مارکس کی کتاب ''اٹھارویں برومیئر اور لوئی بونا پارٹ'' پڑھ رہا تھا۔ 14 اپریل 1954ء کو اپنے ایک خط میں اس نے ذکر کیا کہ اس نے لینن کی کتاب ''ریاست اور انقلاب'' پڑھ ڈالی۔ (7)

اُس کے پڑھنے کی یہ عادت آخر تک قائم رہی۔ گارشیا مارکیز کے بقول، ''فیڈل ایک زبردست قاری ہے۔ . . میں جب بھی کیوبا جاتا ہوں، فیڈل کے لیے کتابوں کا ایک ڈھیر لے جاتا ہوں۔ . . مجھے یاد ہے کہ ایک بار میں نے اس کے پاس برام سٹاکر کی کتاب ''ڈریکولا'' رکھ چھوڑی، جو کہ بلاشبہ ایک زبردست کتاب ہے مگر جسے دانش ور بے کار سمجھتے ہیں۔ میں یہ کتاب رات دو بجے فیڈل کے پاس لے گیا۔ . . اس رات اُسے بہت سی اہم ریاستی دستاویزات پڑھنی تھیں، اور اُن پر غور کرنا تھا۔ ہم آدھ گھنٹہ تک باتیں کرتے رہے اور پھر ہم اگلے دن دوپہر کو ملے۔ ''گیبرئیل، تم نے میرا حشر کر دیا!'' اس نے کہا۔ ''وہ کتاب. . . . . . ارے میں تو ایک منٹ کے لیے نہ سو سکا''۔ وہ صبح چار بجے سے گیارہ بجے تک وہ کتاب پڑھتا رہا تھا''۔

''کمیونسٹ مینی فیسٹو'' نامی مارکس و اینگلز کی کتاب میں لکھا تھا کہ ''بورژوازی ہم پر الزام لگاتی ہے کہ ہم نجی ملکیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ حالاں کہ سچ یہ ہے کہ نجی ملکیت تو آبادی کے نوے فیصد حصے کے لیے پہلے ہی ختم کر دی گئی ہے''۔ نجی ملکیت رکھنے کی نام نہاد آزادی کی اصلیت دکھانے والی یہ کتاب کاسترو نے پڑھ ڈالی۔ اور اسی کتاب نے دنیا میں ہزاروں

انسانوں کی طرح فیڈل کی سوچ بھی بدل ڈالی ۔ دلچسپ ہے کہ وہ ہی لڑتا بھی رہا اور پڑھتا بھی رہا۔جیل میں رہا، پڑھتا ہی رہا۔

اس طرح، کیوبا کی معاشی سماجی اور سیاسی پس ماندگی کو دور کرنا فیڈل کاسٹرو کا گویا مقصد حیات بن گیا۔ وہ نچلے طبقات کے حقوق کا علم بردار بن گیا۔ سمت مکمل طور پر واضح ہوگئی، فیصلہ مزید راسخ ہوگیا اور انقلاب اس کا مقصدِ حیات بن گیا۔

1955ء کے اوائل میں قید باغیوں میں سے کچھ کی ماؤں کی طرف سے عام معافی دینے کے مطالبے کی مہم کو قومی سطح پر پذیرائی ملنے لگی۔ جلوسوں، جلسوں، نشریات اور پمفلٹوں کے ذریعے ''مونکیڈا لڑکوں'' کی رہائی کے مطالبے ہونے لگے۔

چناں چہ پندرہ مئی 1955ء میں تمام قیدیوں کو رہائی ملی۔ کاسٹرو رہا ہوکر اخباروں کی توجہ کا مرکز بنا۔ ہر اخبار میں اُس کا یہ مؤقف صفحہء اول پر شائع ہوتا رہا: ''میں کیوبا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ میں نیکی کی قوتوں کے اتحاد کے لیے لڑتا رہوں گا۔ میرے کوئی ذاتی عزائم نہیں ہیں۔ میں کسی چیز کا متمنی نہیں ہوں۔ مجھے صرف ایک چیز کی تمنا ہے' وہ ہے؛ ایک بہتر اور خوش حال تر کیوبا''۔

حوالہ جات

1۔ کاسٹرو، فیڈل۔ Reflections۔ گرانما انٹرنیشنل۔ کیوبا 25 جنوری 2008ء

2۔ ریڈ ... ہنری۔ فیڈل اینڈ چے، اے ریوو لیوشنری فرینڈ شپ۔ 2009ء۔ Sceptre۔ صفحہ 87

3۔ ریڈ ... ہنری۔ فیڈل اینڈ چے، اے ریوو لیوشنری فرینڈ شپ۔ 2009ء۔ Sceptre۔ صفحہ 88

4-رِیڈ ... ہنری۔ فیڈل اینڈ چے، اے ریوو لیوشنری فرینڈ شپ۔ 2009ء۔
Sceptre۔صفحہ90
5-رِیڈ ... ہنری۔ فیڈل اینڈ چے، اے ریوو لیوشنری فرینڈ شپ۔ 2009ء۔
Sceptre۔صفحہ83
6۔مارکیز، گبرائیل گارشیا، ہفت روزہ پیپلز ڈیموکریسی دہلی،20اگست2006ء
7۔اسلم،سی آر،مکتوباتِ کاسترو، ہفت روزہ عوامی جمہوریت لاہور،15جولائی1980ء
۔صفحہ8

سنگت ٹرانسلیشن سیریز

بلوچی

1۔جہاں جسکیں دَہ روش	(سیاسی ادب)	جان ریڈ/ شاہ محمد مری
2۔آزادی	(سیاسی ادب)	کرسٹوفر کاڈویل/ شاہ محمد مری

3۔ کرنلا کسے کا گد نوشتہ نہ کنت	(ناول)	گارشیا مارکیز/ فدا احمد
4۔ ڈزو کچک	(ناول)	نجیب محفوظ/شرف شاد
5۔ ایوان ایلچے مرگ	(ناول)	ٹالسٹائی / ڈاکٹر بیزن صبا
6۔ اینمل فارم	(ناول)	جارج آرویل/ ڈاکٹر علی دوست بلوچ
7۔ وارڈ نمبر شش	(ناول)	چیخوف/شرف شاد
8۔ جارج بورخیس	(ناول/ افسانے)	بورخیس/ قاسم فراز
9۔ اوڈیسی	(رزمیہ)	ہومر/ فدا احمد
10۔ مرادانی بام	(ناول)	ایوان ترگنیف/مسرور شاد
11۔ مرگ ءِ وشی	(ناول)	البرٹ کامیو/عبداللہ شوہاز
12۔ گلرڑو	(ناولٹ)	موپساں/فضل خالق
13۔ کمیونسٹ مینی فیسٹو	(سیاسی ادب)	مارکس، اینگلز/ شاہ محمد مری
14۔ کاشذ	(فلسفہ)	خلیل جبران/ شاہ محمد مری
15۔ گلیلو	(ڈراما)	بریخت/ شاہ محمد مری

براہوی

16۔ کنا داغستان	(ناول)	رسول حمزہ توف/غمخوار حیات
17۔ اینمل فارم	(ناول)	جارج آرویل/عبدالرازق ابابکی

SANGAT TRANSLATION SERIES 43

HISTORY WILL ABSOLVE ME



CASTRO'S COURT ARGUMENT

FIDEL CASTRO

سنگت

پڙهندڙ نَسُل . پَ نَ

The Reading Generation

1960 جي ڏهاڪي ۾عبدالله حسين " اُداس نسلين" نالي ڪتاب لکيو. 70 واري ڏهاڪي ۾ وري ماڻِڪَ "لُڙهندَڙ نَسُل" نالي ڪتاب لکي پنهنجي دورَ جي عڪاسي ڪرڻ جي ڪوشش ڪئي. امداد حُسينيءَ وري 70 واري ڏهاڪي ۾ئي لکيو:

انڌي ماءُ ڄڻيندي آهي اونڌا سونڌا ٻارَ
ايندڙ نسل سَمورو هوندو گونگا ٻوڙا ٻارَ

هر دور جي نوجوانن کي اُداس، لُڙهندَڙ، ڪَڙهندڙ، ڪُڙهندڙ، ٻَرندڙ، ڇُرندڙ، ڪِرَندڙ، اوسيئڙو ڪَندَڙُ، ياڙي، ڪاٺُو، ياڄوڪَڙُ، ڪاوڙيل ۽ وِڙَهندڙ نسلن سان منسوب ڪري سَگهجي ٿو، پَر اسان اِنهن سيني وِچان "پڙهندڙ" نسل جا ڳولائو آهيون. ڪتابن کي ڪاڳر تان ڪڍي ڪمپيوُٽر جي دنيا ۾ آڻڻ، ٻين لفظن ۾ برقي ڪتاب يعنی e-books ناهي ورهائڻ جي وسيلي پڙهندڙ نسل کي وَڌَڻُ، ويجهَڻ ۽ هِڪَ ٻِئي کي ڳولي سَهڪارِي تحريڪ جي رستي تي آڻِڻَ جي آسَ رکون ٿا.

پَڙهندڙ نَسل (پَنَ) ڪا بہ تنظيمَ ناهي. اُنَ جو ڪو بہ صدر، عُهديدار يا پايو وِجهندڙ نہ آهي. جيڪڏهن ڪو بہ شخص اهڙي دعوىٰ ڪري ٿو تہ پَڪَ ڄاڻو تہ اُهو ڪُوڙو آهي. نہ ئي وري پَنَ جي نالي ڪي پئسا گڏ ڪيا ويندا. جيڪڏهن ڪو اهڙي ڪوشش ڪري ٿو تہ پَڪَ ڄاڻو تہ اُهو بہِ ڪُوڙو آهي.

جَهڙيءَ طَرَح وڻن جا پَنَ ساوا، ڳاڙها، نيرا، پيلا يا ناسي هوندا آهن اَهڙيءَ طرح پَڙهندڙ نَسُل وارا پَنَ بہ مختَلِف آهن ۽ هوندا. اُهي ساڳِئي ئي وقت اُداس ۽ پڙهندڙ، بَرندڙ ۽ پڙهندڙ، سُست ۽ پڙهندڙ يا وِڙهندڙ ۽ پڙهندڙ بہ ٿي سگهن ٿا. بين لفظن ۾ پَنَ ڪا خُصوصي ۽ تالي لڳل ڪِلَب Exclusive Club نہ آهي.

ڪوشش اها هوندي تہ پَنَ جا سڀ ڪَم ڪار سَهڪاري ۽ رَضاڪار بنيادن تي ٿين، پر ممڪن آهي تہ ڪي ڪم اُجرتي بنيادن تي بہ ٿِين. اهڙي حالت ۾ پَنَ پاڻ هِڪَٻِئي جي مدد ڪَرڻ جي اُصولَ هيٺ ڏي وَٺُ ڪندا ۽ غيرتجارتي non-commercial رهندا. پَنَ پاران ڪتابن کي ڊِجيٽائِيز digitize ڪرڻ جي عَملَ مان ڪو بہ مالي فائدو يا نفعو حاصل ڪرڻ جي ڪوشش نہ ڪئي ويندي.

ڪتابن کي ڊِجيٽائِيز ڪرڻ کان پو ٻيو اهم مرحلو وِرهائڻ distribution جو ٿيندو. اِهو ڪم ڪرڻ وارن مان جيڪڏهن ڪو پيسا ڪمائي سگهي ٿو تہ ڀلي ڪمائي، رُڳو پَنَ سان اُن جو ڪو بہ لاڳاپو نہ هوندو.

پَنَن کي ڪُليل اکرن ۾ صلاح ڏجي ٿي تہ هو وَس پٽاندڙ وڏِ کان وَڏِ ڪتاب خريد ڪَري ڪتابن جي ليکڪَن، ڇپائيندڙن ۽ ڇاپيندڙن کي هِمٿائِن. پر ساڳِئي وقت عِلم حاصل ڪرڻ ۽ ڄاڻ کي ڦهلائڻ جي ڪوشش دوران ڪَنهن بہ رُڪاوٽَ کي نہ مڃن.

شيخ اَيازَ علمَ، ڄاڻ، سمجهہَ ۽ ڏاهپَ کي گيتَ، بيتَ، سِٽَ، پُڪارَ سان تَشبيهہ ڏيندي انهن سيني کي بَمن، گولين ۽ باروڊَ جي مدِ مقابل بيهاريو آهي. اياز چوي ٿو تہ:

گـيـتَ بہِ ڄـڻ گـوريـلا آهــن، جي ويريءَ تي وار ڪَرن ٿا.

... ...

جٿن جٿن جاڙ وڏي تي جَڳَ ۾، هـو بـوليءَ جي آڙ ڇُپـن ٿا؛

ريـتـيءَ تـي راتـاهـا ڪــن ٿـا، موتـي مَـنجهہِ پـهـاڙ ڇُپـن ٿا؛

... ...

ڪالهہَ هُيا جي سُرخ گُلن جيئن، اڄــڪــلـهہ نـيـلا پـيـلا آهـن:

گـيـتَ بہِ ڄـڻ گـوريـلا آهــن........

... ...

هي بيتُ اَٿي، هي بَم- گولو،

جيڪي بہ ڪٽين، جيڪي بہ ڪٽين!

مون لاءِ ٻنهي ۾ فَرَقُ نہ آ، هي بيتُ بہ بَمَ جو ساٿي آ،

جنهن رِڻ ۾ رات ڪَيا راڙا، تنهن هَڏَ ۽ چَمَ جو ساٿي آ ـ

اِن حسابَ سان اٽجاٽائي کي پاڻَ تي اِهو سوچي مَڙهڻ تہ ”هاٽي ويڙهہ ۽ عمل جو دور آهي، اُن ڪري پڙهڻ تي وقت نہ وڃايو“ نادانيءَ جي نشاني آهي.

پَنَن جو پڙهڻ عام ڪِتابي ڪيڙن وانگر رُڳو نِصابي ڪتابن تائين محدود نہ هوندو. رڳو نصابي ڪتابن ۾ پاڻ کي قيد ڪري ڇڏڻ سان سماج ۽ سماجي حالتن تان نظر کڄي ويندي ۽ نتيجي طور سماجي ۽ حڪومتي پاليسيون policies اڻڄاڻن ۽ نادانن جي هٿن ۾ رهنديون. پَنَ نِصابي ڪتابن سان گڏوگڏ ادبي، تاريخي، سياسي، سماجي، اقتصادي، سائنسي ۽ ٻين ڪتابن کي پڙهي سماجي حالتن کي بهتر بنائڻ جي ڪوشش ڪندا.

پَڙهندڙ نَسُل جا پَنَ سيني کي **چو، ڇالاءِ ۽ ڪيئن** جهڙن سوالن کي هر بَيانَ تي لاڳو ڪرڻ جي ڪوٺَ ڏين ٿا ۽ انهن تي ويچار ڪرڻ سان گڏ جوابَ ڳولڻ کي نہ رڳو پنهنجو حق، پر فرض ۽ اٽَر گهرج unavoidable necessity سمجهندي ڪتابن کي پاڻ پڙهڻ ۽ وڌ کان وڌ ماڻهن تائين پهچائڻ جي ڪوشش جديد ترين طريقن وسيلي ڪرڻ جو ويچار رکن ٿا.

توهان بہ پڙهڻ، پڙهائڻ ۽ ڦهلائڻ جي اِن سهڪاري تحريڪ ۾ شامل ٿي سگهو ٿا. بَس پنهنجي اوسي پاسي ۾ ڏِسو، هر قسم جا ڳاڙها توڙي نيرا، ساوا توڙي پيلا پن ضرور نظر اچي ويندا.

وڻ وڻ کي مون ڀاڪي پائي چيو تہ ”منهنجا ڀاءُ
پهتو منهنجي من ۾ تنهنجي پَنَ پَنَ جو پڙلاءُ“.
- اياز (ڪلهي پاتم ڪينرو)